انتخاب المجالس

مرتبہ

جناب مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام

ناشران

امامیہ کتب خانہ مغل حویلی

اندرون موچی دروازہ حلقہ ۷ لاہور ۸

فہرست مضامین

صفحہ	اسمائے گرامی علمائے کرام	عنوان
۳	جناب مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام	حرفِ آغاز
۵	جناب مولانا مولوی ابوالریاض سید عبدالواحد صاحب رضوی ایم آے کربلائی مشہدی	خطبات
۹	خطیب آلِ محمد شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم	مجلس اوّل
۲۱	عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم مجتہد	مجلس دوم
۳۷	سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی مدظلہ	مجلس سوم
۵۶	سرکار مولانا سید سبط محمد ہادی صاحب قبلہ عرف مولانا کلن صاحب	مجلس چہارم
۷۷	جناب علامہ رشید تُرابی صاحب مدظلہ العالی اعلی اللہ مقامہٗ	مجلس پنجم
۸۴	ذاکر فاتح فرات مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ	مجلس ششم
۹۷	جناب مولانا کرار حسین صاحب قبلہ واعظ	مجلس ہفتم
۱۱۱	عمدۃ الناطقین مولوی رضی الدین حیدر صاحب ایم-اے	مجلس ہشتم
۱۲۳	عالیجناب مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام	مجلس نہم
۱۴۱	زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام	زیارات
〃	زیارت جُملہ انصار و معصومین علیہم السلام	〃
〃	زیارت جناب امام رضا علیہ السلام	〃
۱۴۲	زیارت حضرت صاحب العصر عجل اللہ فرجہٗ	〃

ابتدا ہوتی ہے تیرے نام سے !!

حرفِ آغاز

واقعۂ کربلا اپنی جاذبیت، تاثیر، اثر انگیزی اور ہمہ گیری کی وجہ سے ہمیشہ شعراء، مفکرین، متکلمین و واعظین کے لئے موضوعِ سخن بنا رہا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا پر نظم و نثر اور تحریر و تقریر کے ذریعے جس قدر اظہارِ خیال کیا گیا ہے دُنیا کے کسی واقعہ پر نہیں کیا گیا ہے۔ معرکہ کربلا پر جن طریقوں سے نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے ان میں مجالس کا طریقہ نہایت مُؤثر و مقبول ہے۔ مجالس میں اوّل اوّل تو صرف واقعۂ کربلا کے الم انگیز، گریہ خیز اور رقت آمیز گوشوں کو پیش کیا جاتا تھا بعد میں اس کا دائرہ بڑھنے لگا۔ اور ذاکرین و واعظین واقعہ کربلا کے اسباب و علل، پس منظر اور نتائج سے بھی بحث کرنے لگے جس نے پورے اسلامی نظام کو اپنے دامن میں لے لیا۔ اور اب کوئی اسلامی موضوع ایسا نہیں ہے جو مجالس میں نہ بیان کیا جاتا ہو۔ اس لئے مجالس کی افادیت، اہمیت اور ضرورت سے کوئی متنفس انکار نہیں کر سکتا۔

مجالس کے مسودات کے مجموعے اکثر و بیشتر منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ جن میں سے بعض مجموعے ایسی مجالس پر بھی مشتمل ہیں جن میں عصری تقاضوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور ان مجالس میں ایسے موضوعات پر بیان کیا گیا جن کی عہد حاضر کو ضرورت

ہے۔ زیر نظر مجموعے میں جو مجالس شامل کی گئی ہیں، ان میں بھی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ مجالس انھیں مضامین سے متعلق ہیں جن میں زمانہ کے مقتضیات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ان مجالس میں فکر معاش کی اہمیت، اسلامی اخوت اور اہل بیتؑ کی زندگی کے معاشی و معاشرتی پہلوؤں پر حسن و خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور ان موضوعات پر ذاکرین کی جو مجالس شائع کی جارہی ہیں ان میں مشکل ہی سے کوئی پہلو تشنہ ملے گا ورنہ واعظین نے اپنے اپنے موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور بیان کا حق ادا کر دیا ہے۔

مرزا استجاد حسین (ایم کام)

خطبہ ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَحَبِیْبِ قُلُوْبِنَا وَطَبِیْبِ نُفُوْسِنَا وَشَفِیْعِ ذُنُوْبِنَا خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْوَصِیِّیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ مَوْلَانَا عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَسَدِ اللّٰهِ الْغَالِبِ غَالِبٍ عَلٰی کُلِّ غَالِبٍ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی مِشْکٰوۃِ النُّبُوَّۃِ وَالشَّمْسِ الرِّسَالَۃِ الصِّدِّیْقَۃِ الْکُبْرٰی فَاطِمَۃَ الزَّهْرَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهَا وَعَلٰی سِبْطَیْنِ الرَّحْمَۃِ سَیِّدَیْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّۃِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَلَعْنَۃُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَآئِهِمْ وَظَالِمِیْهِمْ مِنْ یَّوْمِنَا هٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْعَالَمَ بِاَنْوَارِ الْخَمْسَۃِ وَخَلَقَ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ مِنْ اَنْوَارِ الْخَمْسَۃِ وَ

جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِأَذْيَالِ الْخَمْسَةِ وَشَرَّفَنَا عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ بِالدُّخُوْلِ لِزُمْرَةِ اَوْلِيَآءِ الْخَمْسَةِ وَفَضَّلَ مَجَالِسَنَا بِذِكْرِ فَضَائِلِ الْخَمْسَةِ وَاَضَآءَ قُبُوْرَنَا بِضِيَآءِ اَنْوَارِ الْخَمْسَةِ وَاَدْخَلَنَا الْجَنَّةَ تَحْتَ لِوَآءِ الْخَمْسَةِ وَصَلِّ عَلٰٓى اَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَالْعَنِ اللّٰهُمَّ عَلٰٓى اَعْدَآئِهِمْ وَظَالِمِيْهِمْ مِنَ الْاٰنِ اِلٰى ظُهُوْرِ اَنْوَارِ الْخَمْسَةِ ۝

اسکے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِدِيْنِهِ الْمُبِيْنِ ۝ فَجَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوَلَايَةِ حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْهُدَاةِ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ الْمُخَاطَبِ بِطٰهٰ وَيٰسٓ وَاٰلِهِ الْغُرِّ الْمَيَامِيْنِ لَاسِيَّمَا عَلَى ابْنِ عَمِّهٖ وَكَهْفِ عِلْمِهٖ يَعْسُوْبِ الدِّيْنِ سَيِّدِ الْوَصِيِّيْنَ مَوْلَانَا عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَبْنَآئِهِمُ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَلَعَنَ اللّٰهُ عَلٰٓى اَعْدَآئِهِمْ اَجْمَعِيْنَ مِنْ يَّوْمِنَا هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اس کے بعد بسم اللہ پڑھکر وہ آیت یا حدیث پڑھیئے۔ جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنَاشِرِ فَضَائِلِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ صَلَوٰاةُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ فِى الطُّوْلِ الْاَرْضِ وَجَاعِلِ وَلَايَتِهِمْ عَلَى الْكُلِّ مِنْ اَوْكَدِ الْفَرْضِ ثُمَّ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى ذَوِى الْاَنْفُسِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْقَاهِرَاتِ النَّبِىِّ الْعَرَبِىِّ الْقُرَشِىِّ وَعِتْرَتِهِ الْمَهْدِيِّيْنَ الْهُدَاةِ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى اَعْدَائِهِمُ الْفَجَرَةِ الْعُصَاةِ مِنْ اَوَّلِ الْوَقْتِ اِلٰى اٰخِرِ الدُّهُوْرِ وَالسَّاعَاتِ ہ

اسکے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیئے جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ۔ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ النَّبِيِّيْنَ وَخَاتَمِ الْمُرْسَلِيْنَ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِى شَانِهٖ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ الْمَظْلُوْمِيْنَ

وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَآئِهِمْ وَ غَاصِبِ حُقُوْقِهِمْ وَ مُنْكِرِ فَضَائِلِهِمْ اَجْمَعِیْنَ وَ الْجَنَّةُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالنَّارُ لِلْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُعَانِدِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ:۔

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَحَبِیْبِ قُلُوْبِنَا وَطَبِیْبِ نُفُوْسِنَا وَشَفِیْعِ ذُنُوْبِنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ) وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَآئِهِمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ مِنْ یَوْمِنَا هٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَالْجَنَّةُ لِلْمُطِیْعِیْنَ وَالنَّارُ لِلْعَاصِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ:۔

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے۔ جس کا عنوان بیان کرنا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس اوّلؔ

گلشن خطابت کے چند پھول

(از خطیب آل محمدؐ شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم)

حدیث اعطائے خاتم میں یہ روایت یہ بتلاتی ہے کہ سائل نے پہلے اہل مسجد سے سوال کیا، کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس وقت وہ خدا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا بارِ الٰہا گواہ رہنا کہ مَیں نے تیری مسجد میں سوال کیا اور اب محروم واپس جاتا ہوں۔ یہ کہنا تھا اس کا کہ علی بن ابی طالبؑ نے انگشت سے اشارہ کیا اور اس نے انگوٹھی اتار لی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب تک وہ اہل مسجد سے سوال کرتا رہا علیؑ خاموش کھڑے رہے۔ اس کے سوال کو پورا نہ کیا۔

بات تھی یہ کہ امیر المومنینؑ اس وقت حالت نماز میں تھے، رُوح بارگاہ قدس سے متعلق تھی دنیا والوں کی طرف جب تک سوال رہا حضرت کو خبر نہ ہوئی جب خدا کی طرف متوجہ ہوا آواز بلند ہوئی اور بارگاہ احدیت میں پہنچی پس اب علیؑ کی روح کو خبر ہو گئی۔ اس نے جسم کو اشارہ کیا اور انگلی سائل کی طرف

متوجہ ہوگئی۔

حدیث میں ہے کہ اولادِ رسولؐ میں جتنے آئمہ متولد ہوئے سب کی پشت پر مُہر نبوت کا نشان ہوتا تھا۔

اس حدیث کے متعلق مولانا نے ایک موقع پر بیان فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ مُہر جتنا دبے گی اتنا نشان اس کا گہرا اُترے گا۔ کعبہ میں یہ مُہر نبوت علیؑ کے پاؤں کے نیچے کچھ اس طرح دبی کہ جتنے ورق کتاب نبوت کے تھے سب پر اُس مہر کا نشان اُبھر آیا۔

حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ کے متعلق ہے کہ جب متولد ہوئے تو آپ کی پشت مبارک پر دونوں طرف مہریں تھیں جن پر دو آیتیں نقش تھیں۔

اس کے متعلق ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ قاعدہ ہے مہر خاتمہ پر ہوتی ہے رسالت مآبؐ پر نبوت ختم ہو ئی تھی اس لئے وہاں مہر خاتمیت کی ضرورت پڑی۔ حضرت حجتؑ اور تمام آئمہ معصومینؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین و قائم مقام ہیں ان تک دورِ نبوت رسالت مآبؐ باقی تھا۔ اس لئے وہ مہر خاتمیت برابر ان کے شانوں پر ہوتی رہی جس سے معلوم ہو کہ دور ایک ہی دور ہے اور زمانہ ایک ہی زمانہ لیکن حضرت حجت پر پھر یہ سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے یہاں دو مہریں ہو گئیں ایک تو وہی مہر ختم نبوت ہے اور دوسری مہر ختم امامت۔

حضرت صدیقۂ کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت کے بارے میں فرمایا کہ دیکھئے شبِ عید بچوں کے لئے اگر یہ کہہ دیا تھا کہ لباس تمہارا خیاط کے پاس ہے تو رضوان جب آیا اس نے یہی کہا کہ درزی ہوں، بچوں کے کپڑے لے کر آیا ہوں یہ نہیں کہا کہ رضوان ہوں تا کہ فاطمہ زہرا کی صداقت پر اثر نہ پڑنے پائے۔ (صلواۃ)

سورۂ ہل اتیٰ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ علی ابن ابی طالبؑ نے تین دن روٹیاں دی تھیں تو خداوند عالم نے تیس آیتیں آتاریں۔ اِدھر سے گئی تھیں روٹیاں مگر ایسی پاک اور مقدس تھیں کہ میزانِ عدل میں آیاتِ قرآنی کے سوا ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ آ سکی اور پھر مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا تین روٹیاں دی تھیں اور تیس آیتیں اس کے بدلے میں عطا ہوئیں۔

سورۂ ہل اتیٰ میں سب کچھ ہے مگر حوروں کا تذکرہ اس معظمہ کے سامنے نازیبا اور غیر مناسب تھا۔

فِضّہ کا عمل کچھ ایسا پسند ہوا کہ لفظ "فِضّہ" کا تذکرہ سورہ میں صراحت کے ساتھ کر دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

جَنَّۃَ۔

اس آیت میں تو عام مومنین کے نفوس و اموال کی قیمت جنت قرار دی گئی ہے۔ پھر اب امیر المومنینؑ کی جان کی قیمت کیا ہو سکتی ہے؟ کیا وہی جنت؟ ہرگز نہیں۔

اس جان کی قیمت اس سے بلند ہونا چاہیے۔ وہ رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔

رضائے الٰہی کی عظمت یہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ رضوان پر تنوین تقلیل اور اس کے ساتھ ارشاد ہے کہ وہ بڑی سے بڑی چیز ہے۔

اور علیؑ کو نفس کی قیمت میں مَرْضَاتِ اللّٰهِ کا مالک بنا دیا گیا۔ پھر جب مرضات اللہ کے مالک ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جنت میں اختیار کلی حاصل جس کو چاہے جنت میں داخل کریں اور جس کو چاہیں نار میں۔ اس کے بعد مرضات الٰہی بغیر ان کے مل کب سکتی ہے۔ لاکھ زبان سے دعائیں کی جائیں رضی اللہ عنہ لیکن رضائے الٰہی تو اب ذات علی میں منحصر ہے۔ اسی بنا پر تو اور اسلام مرضی (پسندیدۂ خدا) نہیں ہوا جب تک ولایت علیؑ کا جز شریک نہیں ہو گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

امیر المومنینؑ اپنے نفس کو بیچ چکے تھے جبھی تو شب ہجرت بڑے اطمینان سے سوئے کہ اب جس کی ملک ہے وہ خود ہی حفاظت کریگا۔ اور اس نے حفاظت کی دو ملک سرہانے کی طرف بھیجے گئے اور دو پائین پا اور وہ کہہ رہے تھے۔ بخ بخ لك یا ابن ابیطالب من مثلك فان الله یباھی بك علی الملئکۃ

جب علیؑ کا نفس فروخت ہو چکا تو وہ اب علیؑ کا کب رہا خدا کا ہو گیا اب علیؑ کے ہاتھ ید اللہ علیؑ کی آنکھ عین اللہ علیؑ کی زبان لسان اللہ علیؑ کا پہلو جنب اللہ اور علیؑ کا نفس نفس اللہ ہے۔ صلواۃ

شب ہجرت امیر المومنینؑ نے رسولؐ کے بستر پر آرام کیا رسولؐ کے چادر اوپر سے تھی۔

یاد رکھنے کے قابل ہے آج کی رات کا بچھونا اور خیبر کے دن کا تکیہ جب شکایت کی کہ میری آنکھیں رمد آلود ہیں۔ رسولؐ نے زانو پر اپنے علیؑ کا سر رکھا اور اپنا لعاب دہن علیؑ کی آنکھوں میں لگایا۔

انداز دیکھنے کے قابل ہے یہ نہیں کیا کہ اپنے دہن سے لعاب علیؑ کی آنکھ میں ڈال دیں بلکہ اپنی انگلی میں لے کر لگا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دہن کی رطوبت جب خود دہن سے الگ ہو جائے تو وہ تھوک ہے اور دہن میں ہے تو لعاب ہے رسولؐ نے اپنی انگلی سے علیؑ کی آنکھ میں لگایا جس میں وہی انداز کہ جو قران

کے ورق گردانے میں ہوتا ہے۔

رجعت شمس کے متعلق بیان فرمایا کہ رسالت مآبؐ نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:۔ ان کان علی فی طاعتك وطاعة رسولك یہ دعائے رسولؐ عملی شہادتِ رجوع شمس کے ساتھ نص ہو گئی امیرالمومنینؑ کی عصمت پر۔
آفتاب کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بوقت غروب خالق کے سجدہ میں جھکا ہوتا ہے۔
یہ عجب نماز تھی جس کے لئے آفتاب کا سجدہ قطع ہوا اور وہ پلٹ کر اپنے اس نقطہ پہ آیا جہاں عصر کے وقت پر ہوتا ہے۔ قابل مبارک باد ہے کہ وہ آج ٹھہرا ہوا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نماز کی زیارت کر رہا ہے۔ ادھر نماز ختم اُدھر پھر وہ مغرب کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دربار نمرود میں کہا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَأْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ اس کے معنی یہ تھے کہ خدا جس طرح آفتاب کو مشرق سے نکالنے پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح مغرب سے نکالنے پر قادر ہے۔

ابراہیمؑ نے فقط دعویٰ کیا تھا۔ علیؑ نے اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا کہ دیکھو میرا خدا آفتاب کو مغرب سے بھی نکال رہا ہے۔

اسی لئے نماز پڑھی اور دُعا کی یہ نہ معلوم ہو کہ آپ نے اپنی ذاتی قدرت سے ایسا کیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ رسالتِ مآبؐ کے لئے چاند کا معجزہ ظاہر ہوا شق القمر ہوا اور علیؑ کے لئے آفتاب کا معجزہ رجعت شمس ہوا۔ حالاں کہ بظاہر مناسبت کا تقاضا تھا کہ آفتاب کا معجزہ رسولؐ کے لئے ظاہر ہو اور چاند کا معجزہ علی ابن ابی طالبؑ کے لئے مگر اس کا عکس ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ جہاں تاریکی کا زیادہ خوف ہے وہاں روشنی زائد ڈالی جاتی ہے۔ معلوم تھا کہ امیر المومنینؑ کی نسبت اختلافات زیادہ ہوں گے اس لئے یہاں روشنی تیز کر دی گئی۔

واقعہ بت شکنی میں رسالت مآبؐ نے امیر المومنینؑ کے شانوں پر قدم رکھے تو امیر المومنینؑ میں ضعف کا اظہار ہوا اور حضرت نے فرمایا کہ تم بار نبوّت اُٹھا نہیں سکو گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے رسالت مآبؐ کے بار کو اٹھالیا اور شبِ ہجرت دور تک لے گئے تو امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں ان کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

مولانا نے اس کے متعلق فرمایا کہ جب کسی دو چیزوں میں جوہر و حقیقت کا اشتراک ہوتا ہے اور پھر ایک دوسرے سے غالب تو دوسری شئے میں اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر جوہر و حقیقت کا اشتراک ہو ہی نہیں سکتا تو کچھ نہیں۔ مثلاً آفتاب کے مقابلے میں ہاتھ رکھ دیجئے۔ پاؤں رکھ دیجئے اس کی روشنی

کا کوئی اندازہ نہ ہوگا نہ خیرگی پیدا ہوگی نہ چکا چوند لیکن اگر آنکھ کو آفتاب کے مقابل لے آئیے تو چوں کہ آنکھ میں خود نور و ضیا ہے اس لئے وہ اپنے سے زیادہ ضیا کی تاب نہ لاکر مضطرب ہوگی اور چکا چوند پیدا ہو جائے گی۔ بس یونہی وہ جوہر رسالت جو حضرت رسولؐ میں ودیعت تھا اس کے ساتھ دوسرے افراد میں کوئی جہت اشتراک تھی ہی نہیں اس لئے اس کا کوئی وزن بھی محسوس نہ ہوا اور جہاں وہی جوہر مشترک موجود تھا اس نے اس کی طاقت کا احساس کیا اور وزن معلوم ہوا۔

حضرت موسیٰؑ برق تجلی کی تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر گرے۔ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کروبیین میں سے ایک فرشتہ کے چہرہ کی چھوٹ تھی۔ جس نے نقاب سرکا دی تھی اس سے موسیٰؑ کا یہ عالم ہوا۔
مگر کیا کہنا ہمارے رسولؐ کی قوت نگاہ کا کہ معراج کی شب کروبیین کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تیرہ رجب کے موقعہ پر شب کو مسجد تحسین والی صحبت میں ایک سال اس آیت سے ابتدا کی "لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعًا متصدعًا من خشیة الله" اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو وہ خدا کی عظمت کے احساس سے شق ہو جاتا۔
انھوں نے کہا کہ معلوم ہوا حقیقی قرآن کی تاثیر یہ ہے کہ جمادات شق

ہوتے ہُوئے نظر آئیں۔

انھوں نے اس کے متعلق بیان کو بسط دیتے ہوئے حضرت موسیٰ کے لئے دریا کا شق ہونا اور پتھر میں شگاف پیدا ہوکے چشمہ پھوٹنا اور رسُولؐ کے لئے ماہتاب کا دو ٹکڑے ہونا، اس سب کو بڑے لطف کے ساتھ بیان کیا پھر کہا کہ جس طرح شق دریا موسیٰؑ کا اعجاز تھا۔ شق قمر محمد مصطفےٰ کا اعجاز اسی طرح شق جدار کعبہ علیؑ کا اعجاز تھا اور یہ اس آیت الہٰی کی عظمت تھی جس نے دیوار کو شگافتہ کر دیا۔

مصائب کے سلسلہ میں حضرت سید الشہداءؑ نے جناب علی اصغرؑ کو میدان جہاد میں لاکر کیوں شہید کرا دیا۔ شائد اس لئے کہ ماں بہنوں کی تو مشکیں پس گردن سے بندھی ہوں گی۔ علی اصغرؑ کی زندگی کی کیا سورت ہوگی۔

جناب علی اکبرؑ جب گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے آواز دی۔ یا ابت علیك منی السلام هذا جدی رسول الله تد شقانی بکاسه الاوفی۔ جناب علی اکبر نے سلام الٹ کیوں دیا۔ سلام علیك کیوں نہ کہا۔ اس لئے کہ سوال آپ کے موقع پہ باپ کی زبان کو دیکھ چکے تھے کہ اپنی زبان سے زیادہ خشک۔ اس لئے سلام میں جواب کا انداز اختیار کر لیا کہ امام کو جواب نہ دینا پڑے پھر یہ کیوں کہا کہ هذا جدی رسول الله تد سقانی بکاسه الاوفی۔ اس لئے کہ امامؑ سے پانی کا سوال کر چکے تھے اور جانتے تھے کہ امامؑ

کے دل پر میری پیاس کا اثر ہوگا تو چاہا امام کو تسکین دے دیں کہ بابا میری پیاس کا خیال نہ کیجئے گا۔ میرے نانا رسالت مآبؐ نے مجھ کو سیراب کردیا ہے۔

جناب عباسؑ نے امام حسینؑ کو اس وقت آواز دی جب پانی مشک کا بہ چکا اور گرز سر پہ لگ چکا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اے مولا آپ نے اس وقت بھائی کو کیوں نہ پکار لیا جب دونوں ہاتھ قطع ہوگئے کہ پانی تو خیمہ میں پہنچ جاتا۔ تو شاید جناب عباسؑ جواب دیں کہ پکارتا کیونکہ؟ مشک کا تسمہ تو دانتوں میں تھا۔

حضرت سیدالشہداؑ کے سر مبارک نے بازارِ کوفہ میں سورۂ کہف کی تلاوت کی۔ بات یہ ہے کہ مجمع نامحرموں کا وہاں بہت تھا۔ حضرت نے سورہ کی تلاوت اس لئے شروع کردی کہ لوگ میرے سر کی طرف دیکھنے میں محو ہوں اور بہن کا پردہ محفوظ ہو جائے۔

شب عید حسنینؑ کے لباس مانگنے کی روایت بہت اثر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور ربط کے الفاظ اُن کے یہ تھے کہ "سن کے ساتھ انسان کی خواہشیں بھی بدلتی ہیں۔ اس زمانہ میں سیدۂ عالم سے لباس نو کی خواہش کی اور روز عاشور بہن سے لباس کہنہ کی فرمائش کی۔"

جناب مولوی چھبن صاحب مرحوم لکھنؤ کے ایک بڑے مقدس ہر دلعزیز

واعظ اور مقبول ذاکر حضرت سیدالشہداؑ تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو چہلم کی مجلس مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم نے پڑھی یہ فقرہ ان کا اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ مرحوم کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے زندگی میں جب بھی راستے میں ملے۔ اُن سے کہا آگے چلئے کبھی آگے چلنا پسند نہ کیا مگر اب نہ معلوم کیا تھا کہ تابوت میں آگے آگے جا رہے تھے" اس فقرہ سے مجلس میں وہ کہرام تھا جو پورے مصائب کے تذکرہ میں ہو سکتا ہے۔

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ سب سے پہلے انھوں نے بیان فرمائیں اور اس پُر لطف انداز سے کہ جو اُنہی سے مخصوص ہو گیا۔
ان میں خاص چیز "نحل" (شہد کی مکھی) کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کا خاص موضوع تھا اور اس کو نہایت بسط سے بیان کرتے تھے اور اس طرح کہ اہل مجلس محو ہو جاتے تھے۔ اور وہ کچھ ایسی چیزیں تھیں کہ قلم انکی مصوری سے قاصر ہے۔

جنگِ خیبر کے بیان کا اندازہ اُن کا نرالا تھا۔ آگرہ میں مزار جناب شہید ثالث کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ کہہ کر پڑھے کہ "مجلس کا صفحہ آج تاریخ کا ورق ہوگا" اور پھر خیبر کی لڑائی اس یادگار طریقہ سے بیان کی کہ مجلس حقیقتہً تاریخ کا ایک یادگار ورق بن گئی۔ لعاب دہن لگانے کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے تھے" آب وحی میں حل کیا ہوا سرمہ آنکھ میں لگایا

مصائب وہ کبھی سخت نہیں پڑھتے تھے فقرے ہوتے تھے کہ جو دلوں کو برماتے تھے اور نشتر کا کام کرتے تھے۔ جیسے جناب علی اکبرؑ جب رخصت ہو کے چلے تو امام حسینؑ پیچھے پیچھے کچھ دور تک تشریف لے گئے اس طرح کہ جتنا علی اکبرؑ کا گھوڑا تیز ہوتا جاتا تھا، امامؑ کی رفتار بڑھتی جاتی تھی۔ یہ جب انھوں نے بیان کی ہے تو مجلس میں تلاطم ہو گیا۔ کٹرہ کی ایک مجلس میں جو شب کے وقت ہوتی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ امامؑ کے گلے سے خون جاری ہوا اس سے زمین پر تحریر ہو رہا تھا

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس دوّم

شامِ غریباں

از عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم (مجتہد)

شامِ غریباں میں میری زبان سے پورے انہماک کے ساتھ میرا بیان سننے والے خصوصاً حاضرینِ مجلس آپ جانتے ہیں کہ میں کئی ماہ سے بیمار ہوں، نہ دماغ کام کرتا ہے نہ دِل، آواز بھی میری مدد کرنے سے منکر ہے۔ اس عالم میں میں کیا کہوں اور کیونکر کہوں، ہمت ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ قوت جواب دے رہی، حافظہ مدد کرنے پر تیار نہیں ہے کس سے کہوں کہ مجھ کو کچھ بتا دو۔ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ

"ہم نے واقعات کربلا اپنی آنکھوں سے دیکھے"

ہاں ہاں یہ ٹھنڈی روشنی ڈالنے والا چاند، یہ ستاروں کی بزم میں گردش کرتا ہوا ماہتاب بتا سکتا ہے، حالات کربلا سُنا سکتا ہے۔ اچھا تو اے شب کے پردے میں سفر کی منزلیں طے کرنے والے تو ہی بتا کہ یہ حسینؑ کون تھے؟ کیوں کربلا میں آئے تھے۔ کس نے ان کو شہادت کی منزل تک پہونچایا۔ یہ شامِ غریباں کا منظر دُنیا میں کیونکر پیش آیا؟ سنیئے یہ آپ کا روشن ستارہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ پوچھنے والے

تو نے مجھ کو چھیڑ کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں تو ستاروں کے اشکوں سے خود ہی رو رہا تھا۔ تو نے مجھ کو اور رُلا دیا۔ دریافت کرتا ہے تو سن لے کہ حسینؑ ابن علیؑ جن کے ماتم کی صف ہر دوست کے گھر میں بچھی ہوئی ہے۔ رسولِ عربی کے بڑے محبوب نواسے تھے۔ ان کی صاحبزادی فاطمہ زہراؑ کے دل کے ٹکڑے تھے۔ علی ابن ابی طالبؑ کے نورِ نظر تھے، نانا کی آغوش تربیت میں رہ کر اسلام کی تخم پاشی دیکھ چکے تھے، باپ کی جاں فشانیاں پیش نگاہ تھیں، ماں کی گود میں آ کر اسلام سے محبت، مسلمانوں پر رحمت ہر وقت دین اسلام کی حفاظت کی فکر دیکھ چکے تھے، رسول اسلام نے بھی مختلف صورتوں سے دکھلا دیا کہ اسلام کی حفاظت کیونکر کی جاتی ہے۔ مباہلہ کے میدان میں لا کر سمجھا دیا تھا کہ اسلام کی حقیقت کا ثبوت کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھا کہ اسلام کے بعض دشمن کس طرح اسلام کی نقابیں چہروں پر ڈال کر اسلام کے مٹا دینے میں کوشاں ہیں تو حسینؑ کی نگاہوں سے کیونکر پوشیدہ رہتا وہ خوب جانتے تھے کہ سچا مسلمان کون ہے؟ منافق کون ہے اسلام کی پرورش کرنے والا کون ہے۔ اسلام کی بقا کا دشمن کون ہے پیغمبر کی رحلت کے بعد ہر منظر حسینؑ کی نگاہ سے گذرا۔ مگر باپ کی سرپرستی میں انہیں کے طرزِ عمل پر گامزن رہے۔ باپ کی خانہ نشینی بھی دیکھی اور سلطنت کے دور پر بھی غور کی نگاہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ علیؑ نے بہ ظلم و ستم شہادت پائی۔ اب بڑے بھائی کے طرزِ عمل کو دیکھا۔ ان کی بھی زہر سے شہادت ہوئی۔ مگر حسینؑ نے باپ، بھائی کے طرزِ عمل

کوفے جاؤں۔ حرؒ نے اصرار کیا، حسینؑ نے انکار کیا۔ امام حسینؑ کے دوستوں نے عرض کی مولا ان سے لڑ لینا ابھی آسان ہے حکم دیجئے تو لڑیں۔ فرمایا ہرگز نہیں ہم جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حسینؑ نے قافلے کو روانگی کا حکم دیا۔ قافلہ کا رُخ کربلا کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس طرح حسینؑ اس کربلا میں پہنچ گئے جہاں آج کی تاریخ شامِ غریباں کا منظر دل شکن تھا۔

اے میرے پُر نور سیارے اے فلک کی منزلوں سے گزرتے ہوئے ماہتاب ابھی کچھ آنکھوں دیکھا حال اور بھی تو بیان کر دے۔

اچھا سُنو۔ کربلا کی نہر نے حسینؑ کو قریب آنے کی دعوت دی۔ باغوں کے سائے اپنے دامن میں خیمے لگوانے کی تمنا پیش کی۔ غبارے اُڑا کے استقبال کیا مگر لشکر حُر کے روکنے سے حسینؑ چٹیل میدان۔ بے آب و گیاہ زمین پر اُتر چکے۔ راتوں پر راتیں اور دنوں پہ دن گزرنے لگے۔ لشکروں کی کثرت بڑھنے لگی یہاں تک کہ ۷ محرم سے لشکر نے پانی بھی بند کر دیا۔ آٹھ گزری۔ نو گزری اور شب عاشور آئی۔ آہ میں فلک کی بلندی سے دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ مگر میں نے بہت غور سے دیکھا کہ عورتوں میں، مردوں میں، عزیزوں میں، غیروں میں کسی کی بھی زبان سے پیاس کا لفظ نکلا۔ ہرگز نہیں۔ سب عبادتیں کر رہے تھے، نمازیں پڑھ رہے تھے، قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے دُنیا میں سب کچھ دیکھا، مگر ایسے باہمت، ایسے صابر، ایسے ایمان دار کبھی نہیں دیکھے، میں اُنھیں پرہول مناظر کو دیکھتا ہوا، افلاک کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ حسینؑ کے لشکر

سے صبح کی اذان کی آواز آئی، مگر میں نے غور سے سنا تو آج حسینؑ کا پرانا اذان دینے والا نہ تھا، بلکہ حسینؑ کے جوان فرزند شبیہہ رسول علی اکبرؑ اذان دے رہے تھے۔ پانی تو ممکن نہ تھا۔ زمین کربلا پر نمازیوں نے تیمم کر کے مصلے بچھائے اور امام کے ساتھ نماز باجماعت شروع ہوئی۔ دعاؤں میں ہاتھ اٹھے۔ مگر فتح وظفر کی دعائیں نہ تھیں پیاس کا شکوہ نہ تھا، بیکسی کی شکایت نہ تھی۔ مگر صبر کی، ثبات قدم کی، دین پہ قائم رہنے کی دعائیں ہو رہی تھیں۔

اے زبان حال سے داستان غم سننے والوں، ابھی صبح کی ہلکی روشنی میں بھی ضیا باری کر رہا تھا۔ مصلے اٹھنے نہ پائے تھے، کہ دشمن کے لشکر سے پیغام جنگ لے کر تیر آئے، یہ گستاخی دیکھ کر بہادروں کے چہروں پر سرخی دوڑی بڈھوں نے کمر کسی، جوانوں نے تلواروں کے پہلوؤں میں گھر ٹے ہو گئے، لڑائی شروع ہوئی۔ تیروں کی بوچھاڑ میں حسینؑ میدان میں آیا جنگ کی اور شہید ہوئے۔ جب سب دوست قتل ہو چکے تو عزیزوں کی نوبت آئی حسینؑ کے چچا عقیل کی اولاد نے پیش قدمی کی وہ بھی سب شہید ہوئے۔ اب جناب زینبؑ کے فرزند میدان میں آئے۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ اب حسینؑ کے بھائی حسنؑ کے فرزندوں نے بڑھ کر بڑی بہادری سے جان نثار کی، اب حسینؑ کے بھائی شہادت کی منزل میں آئے وہ بھی قتل ہوئے۔ اب بھائیوں میں صرف عباسؑ ابن علیؑ باقی تھے حسینؑ سے اجازت مانگی حسینؑ اس بھائی سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرمایا عباس مرنے سے پہلے بچوں کی پیاس بجھا دو۔ عباسؑ دشمن کے لشکر کے قریب آئے اور فرمایا کہ دشمنان دین۔ بنی ہاشم کے قتل کرنے والو یہ نہر کا پانی موجیں

مار رہا ہے اور حسینؑ کے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ جواب ملا کہ جب تک حسینؑ بیعت نہ کریں گے ایک قطرہ نہ ملے گا۔ شائد یہ آواز خیموں میں پہونچ گئی۔ بچوں کو معلوم ہوا کہ ہم کو پانی نہیں ملے گا۔ ایک بارگی بچوں کی آواز آئی "ہائے ہم کو پیاس نے مار ڈالا" یہ آواز جناب عباسؑ نے سنی، امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اے میرے امام، اے میرے آقا۔ اتنی اجازت تو دے دیجئے کہ بچوں کے لئے نہر سے پانی لے آؤں۔ حسینؑ نے سر جھکایا۔ عباسؑ نے سوکھی سی مشک اٹھائی نہر کی طرف گھوڑا بڑھایا۔

تمام دنیا کے انصاف کرنے والے تاریخیں دیکھ کر، حدیثیں دیکھ کر مجھ کو جواب دیں کہ پہلی منزل سے حسینؑ کی شہادت تک بیسیوں مرتبہ دشمن نے سوال بیعت کیا۔ حسینؑ نے انکار کیا، پانی بند ہوا۔ پیاس بھڑکی، دوست قتل ہوئے عزیز شہید ہوئے۔ مگر کسی ایک نے بھی حسینؑ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ بیعت کر لیجئے۔ دوستوں نے عزیزوں نے، مردوں نے، عورتوں نے، اور چھوٹے چھوٹے بچوں نے، کسی نے بھی نہ کہا کہ آقا اب تو پیاس کے مارے ہمارے دم نکلے جاتے ہیں؟ آقا بیعت کر کے ہماری جان بچا لیجئے۔ خدا گواہ ہے کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا۔ تو معلوم ہوا کہ بیعت کرنا ایسا ہی محال تھا، ناممکن تھا، زینبؑ نے یہ کہا کہ اپنے دوستوں کو مدد کے لئے بلائیے۔ سکینہؑ حسینؑ کی چھوٹی بچی نے یہ کہا کہ ہم کو نانا کے روضے پر پلٹا دیجئے، مگر یہ ایک نے بھی نہ کہا کہ بیعت کر کے ہماری جان بچا لیجئے۔

بہر حال عباسؑ مشک لئے ہوئے نہر پر آئے۔ ہزاروں کو مار کر بھگا دیا۔

نہر سے پانی بھر اور لے کر پلٹے۔ اب پوری کوشش ہے کہ میں زندہ رہوں یا نہ رہوں مگر پانی پہونچ جائے کہ یکایک ایک دشمن نے درخت کی آڑ سے نکل کر ایسی تلوار ماری کہ داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا، عباس نے بائیں ہاتھ میں تلوار لی۔ دوش پر مشک رکھی۔ یوں ہی جہاد کیا۔ مگر ایک دشمن نے بائیں ہاتھ پر بھی تلوار لگائی۔ اور وہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب عباسؑ نے دانتوں سے مشک سنبھالی۔ مگر مشک پر تیر پڑا۔ پانی بہہ گیا، سر پر گرز پڑا عباسؑ گھوڑے سے گرے اب حسینؑ کے پاس ایک نوجوان فرزند تھا جس کی اٹھارہ برس کی عمر، بعد حسینؑ بے حد خوبصورت رسول عربی کی تصویر۔ اسی فرزند نے ہاتھ جوڑ کر جنگ کی اجازت مانگی حسینؑ نے فرمایا مجھ سے اجازت کیا لیتے ہو۔ ماں سے رخصت لو۔ بڑی پھوپھی نے اٹھارہ برس مشقت سے پالا ہے اُن سے مل لو۔ باپ کے حکم سے علی اکبرؑ خیمے میں داخل ہوئے پردوں کی آڑ تھی کوئی کیا بتلائے کہ ماں نے کیوں کر اجازت دی۔ بہن کو کیوں کر سمجھایا، پھوپھی سے کیونکر رخصت ہوئے۔ جن ماؤں کے جوان فرزند ہوں خدا اُن کے فرزندوں کو صحیح و سالم رکھے، وہ بتائیں کہ ماں نے کس نگاہ حسرت سے دیکھا ہوگا، کس طرح دل تھام کے زمین پر بیٹھ گئی ہونگی، چھوٹی بہنوں نے کیوں کر دامن چھوڑا ہوگا، جس پھوپھی کے دو بچوں کی لاشیں میدانِ جنگ سے آچکی ہیں اس نے کیونکر مرنے کی اجازت دی ہوگی۔

ہاں مجھ کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ خیمے کا پردہ اٹھتا تھا، اور گر تا تھا جب علی اکبرؑ چاہتے تھے کہ باہر نکلیں تو بی بیاں جھپٹ جاتی تھیں۔ بہر حال کسی نہ کسی صورت سے سب کو رخصت کر کے علی اکبرؑ باپ کے پاس آئے۔

حسینؑ نے نظر حسرت سے فرزند کا چہرہ دیکھا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے
میرے پیدا کرنے والے گواہ رہنا۔ اب وہ جوان مرنے جاتا ہے جو صورت اور
سیرت میں تیرے رسولؐ کی تصویر تھا۔ یہ کہہ کے اکبرؑ کو اجازت دی۔ جوش
شجاعت میں علیؑ اکبر گھوڑا بڑھا کر چلے مڑ کے دیکھا کہ امام حسینؑ گھوڑے کے
پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ علیؑ اکبر نے گھوڑا روک کر عرض کی۔ بابا یہ کیا؟
آپ تو مجھ کو رخصت کر چکے تھے۔ حسین نے فرمایا کہ بیٹا دل نہیں مانتا۔ جب
تک میرا تیرا سامنا ہے مڑ مڑ کے دیکھتا جا۔

بہر حال علی اکبرؑ میدان میں آئے۔ بڑی شجاعت سے جنگ کی۔ آخر گھوڑے
سے گرے، باپ کو مدد کے واسطے نہیں پکارا بلکہ آواز دی تو صرف یہی
کہ میرے چاہنے والے باپ میرا آخری سلام لیجئے حسینؑ نے آواز سنی، کس
طرح میدان میں آئے۔ کیونکر جوان کی لاش اٹھائی۔ بہر حال اب حسینؑ کے
سوا کوئی نہ تھا۔ آخری رخصت کو خیمے کے دروازے پر آئے۔ آواز دی۔
میری بہنوں میرا آخری سلام لو، میرے دوستوں کی عورتوں تم پر بھی میرا
سلام، میری بچیوں سلام قبول کرو۔ اے میری ماں کی کنیز فضہ یہ حسینؑ تم
پر سلام کرتا ہے۔ یہ آواز سن کر عورتیں بچے ڈیوڑھی پہ آ گئے۔ میں حالات
رخصت کہاں تک بیان کروں۔ مگر مختصراً اتنا کہ بڑی بہن زینبؑ نے چھ
ماہ کے بچے علی اصغر کو لا کر گود میں دے دیا۔ بھیا۔ بھیا۔ اس کی پیاس تو
دیکھئے اب چند لمحوں کا مہمان ہے۔ میرے بھائی اس کو دشمن کے سامنے
لے جائیے ذرا حال تو دکھائیے۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس کو پانی ضرور مل جائے گا

حسینؑ خوب جانتے تھے کہ بچے کا حشر کیا ہوگا۔ مگر بہن کی فرمائش سے بچے کو گود میں لے لیا۔ کیا کہتے کیونکہ بہن کا دِل توڑتے کہ یہ ظالم ہرگز رحم نہ کریں گے۔ بچے کو عَبا اڑھائی دھوپ سے بچاتے ہوئے ایک بلندی پر لائے۔ عَبا ہٹائی۔

اَب آپ مجھ کو دیکھتے رہیں۔ بچے کو دونوں ہاتھوں پر سنبھال کے بس اتنا بلند کیا کہ بچے کا گلا حسینؑ کے شانے سے مل گیا۔ پیاس سے بے حال بچہ گردن ڈالے ہوئے۔ چہرہ مُرجھایا ہُوا۔ ہونٹ سوکھے ہوئے دشمن کے سامنے پیش کرکے فرمانے لگے، میرے دشمنو! میرے عزیزوں کو قتل کرنے والو، ذرا اس بچے کو دیکھ لو۔ یہ لڑنے نہیں آیا ہے۔ دو بوند پانی مانگنے آیا ہے۔ تم خود اپنے ہاتھ سے پلادو۔ دشمن رو دیئے لشکر میں ہل چل مچ گئی مگر سردارِ لشکر عمر سعد کو رحم نہ آیا۔ ایک زبردست تیرانداز کو حکم دیا کہ کیا دیکھ رہا ہے۔ نشانہ زد پر ہے آج ہی تو تیری نشانہ بازی کا امتحان ہے۔ اس ملعون نے کمان دوش سے اتاری تیر کمان میں جوڑ کر بھرپور قوت سے کمان کھینچی۔ تیر چلا بچے کا گلا چھیدتا ہوا حسینؑ کے بازو میں پیوست ہوگیا۔

روایت تو کہتی ہے کہ بچہ ہاتھوں پر الٹ گیا۔ مگر میرے عزادارو تم ہی بتاؤ کہ اگر تیر صرف بچے کے گلے پر پڑا ہوتا تو بچہ الٹ سکتا تھا، کروٹ بدل سکتا تھا۔ لیکن جب وہی تیر بچے کے گلے اور حسینؑ کے بازوؤں میں پیوست ہوگیا، تو بچے نے سمیٹے ہوں تو ہاتھ سمیٹے ہوں مگر سر اور گلا تو ہل ہی نہ سکتا تھا۔ ہاں جب حسینؑ نے قوت صرف کرکے تیر نکال لیا ہوگا تو اب بچے نے کروٹ

بدلی ہو گی۔ یا باپ کے گلے میں باہیں ڈال دی ہوں گی، یہ دِل شکن منظر بھی ختم ہوا۔ اب حسینؑ کے صبر کی آخری منزل تھی کہ کسی کی قبر نہیں بنائی۔ مگر اس بچے کی لاش لے کر زمین پر بیٹھ گئے۔ تلوار سے ایک گڑھا کھودا۔ بچے کو قبر میں لٹایا۔ اس مقام پر جاوید مرحوم کا ایک شعر سُن لیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

قبر میں اصغر کو رکھ کر رو کے فرماتے تھے شاہؑ
یہ تو آغوشِ لحد میں اور پیارا ہو گیا

اب حسینؑ کے خزانے میں اپنے نفس کے سوا کچھ نہ تھا، لہٰذا گھوڑے پر بیٹھے تلوار نکالی۔ دشمن سے جنگ کی۔ بعض دشمنانِ حسینؑ عقل سے خالی کہتے ہیں کہ حسینؑ میں جنگ کرنے کا دم ہی نہ تھا، کبھی چلتے تھے کبھی بیٹھ جاتے تھے؛ کبھی نہر کا رُخ کرتے تھے۔ مگر انصاف کرنے والوں ایمان سے بتاؤ کہ اگر حسینؑ کی یہ حالت ہوتی تو کون حسینؑ کو قتل کرتا، کون حسینؑ کو شہید کرتا۔ لشکر والے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالتے؛ بیڑیاں پہناتے۔ اور گورنر کوفہ ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیتے جیسا کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کے بیمار فرزند امام زین العابدینؑ کے ساتھ سلوک کیا تھا ویسا ہی سلوک حسینؑ سے بھی کرتے اور پھر حسینؑ گوارا نہ کر سکتے تھے، اسی لئے حسینؑ نے تلوار اٹھائی اور لڑنا شروع کیا، بڑی شجاعت سے لڑے بڑی بہادری سے لڑے۔ تیروں نے جگر چھلنی کر دیا، نیزوں نے دِل چھید ڈالا۔ تلواروں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پتھروں نے زخمی کیا، اب گھوڑے پر سنبھل نہ سکے زمین پر گرے۔ مگر فوراً کھڑے ہو گئے۔ پھر لڑنا شروع کیا۔ صرف اس خیال سے کہ مجھ کو دشمن قید نہ کر لیں۔ اب کھڑے ہونے کی طاقت

نہ رہی تو زمین پر بیٹھ گئے۔ مگر زخموں کی اتنی کثرت تھی کہ کسی کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ حسینؑ زندہ رہیں گے۔

خود دشمن کے لشکر کی گواہی سنئے۔ ہلال عمر سعد کے پاس آیا۔ اے سردار لشکر حسینؑ پر پیاس کی شدت ہے۔ ایک ایک سے پانی مانگ رہے ہیں۔ زخموں کی اتنی کثرت ہے کہ پانی بھی دیا جائے تو زندہ نہ رہیں گے۔ اگر اجازت ہو تو میں پانی پلا دوں، عمر سعد نے سر جھکا لیا۔ ہلال دوڑ کر نہر پر آیا، پانی لے کر چلا حسینؑ کو پلا دوں۔ مگر ابھی قریب بھی نہ پہونچا تھا کہ زمین کو زلزلہ آیا، غبار اڑا۔ آفتاب کو گہن لگا۔ لشکر نے خوشی میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند کیں، اور فلک سے آواز آئی۔ علیٰ قتل الحسینؑ و بکربلا۔ و علیٰ ذبح الحسینؑ و بکربلا۔

سننے والوں سن لو حسینؑ کربلا میں قتل ہو گئے۔ حسینؑ کربلا میں قتل کر دیئے گئے۔ ادھر حسینؑ شہید ہوئے اُدھر عمر سعد نے حکم دیا کہ لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالو۔ حکم کی دیر تھی۔ میدان میں گھوڑے دوڑنے لگے۔

جب یہ مصیبت بھی ختم ہو چکی تو اب لشکر نے خیموں کا رُخ کیا اسباب لٹنے لگا، اور شہزادیوں کا زیور چھینے جانے لگے۔ اے پردہ دار بیبیوں دل تھام کر سنو، زیور چھن گئے، شہزادیوں کو فکر نہ ہوئی اسباب لٹ گیا۔ شہزادیوں نے اثر نہ لیا۔ مگر جب سروں کی چادریں چھینے لگیں تو ہر بی بی اپنی چادر سے لپٹ جاتی تھی اور جب اس طرح بھی چادریں نہ بچیں تو روایت میں ہے کہ ایک بی بی دوسری کی پیٹھ کے پیچھے چھپ کر پردہ کرتی تھی۔ اسی عالم میں لرزتا ہوا آفتاب گوشۂ مغرب میں چھپ گیا اور مقتل میں شام غریباں کی سیاہی پھیلی۔ میرے سوا اور میرے گرد و پیش تارُں

کے سوا کوئی بیکسوں کو روشنی پہنچانے والا نہ تھا۔ کیا اچھی منظر کشی کی ہے نواب تراب یار جنگ نے میری نظر میں آج ہر بھرے گھر میں رہنے والے کا یہی عالم ہوگا:

آج ہے شامِ غریباں کربلا نظروں میں ہے
رو رہا ہوں آج میں اپنا بھرا گھر دیکھ کر

سُنو! سُنو! حسینؑ کی لاش کے سرہانے شمع نہ تھی۔ بہن کے گھر میں چراغ نہ تھا، حسینؑ کے واسطے کفن نہ تھا، بہن کے سَر پر چادر نہ تھی، حسینؑ کا جسم زخموں سے چُور تھا، بہن کا جسم تازیانوں سے نیلا تھا۔ اُدھر بھی بیکسی تھی یہاں بھی حسرت و یاس تھی۔ بس یہی عالم تھا جو ہماری مجلس کا ہے، نہ فرش تھا نہ روشنی تھی، نہ سایہ تھا نہ کوئی محافظ تھا۔ سب کے سب پا برہنہ، سب سر برہنہ۔

مگر عزادارانِ حسینؑ، وہ بچے جو باپ سے پانی مانگ رہے تھے، بھائی سے پیاس کی شکایت کر رہے تھے، پھوپھی کی چادر تھام کر پیاس کی شدت بتا رہے تھے، عباسؑ کا دامن تھام کر پیاس کا شکوہ کر رہے تھے۔ اب کسی کی زبان پر پانی کا نام نہ تھا، کسی کے لب پر پیاس کا شکوہ نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب سب کے سب بیہوش تھے، کسی کو ہوش ہی نہ تھا کہ اب پانی مانگنے کی آواز کوئی نہ سنتا۔ تمام مسلمان مجھ کو بتا دیں کہ حسینؑ کے خیموں میں اب بھی پانی پہنچا یا نہیں، کسی نے حسینؑ کو شہادت کے بعد پانی پلایا یا نہیں۔ بخدا کوئی روایت نہیں بتاتی، کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں۔ ہاں کچھ ذاکر پڑھتے ہیں۔ بعض کتابوں میں بھی موجود ہے مَیں کیوں کر کہہ دوں کہ سب جھوٹے تھے۔ سب نے بہتان لگایا۔ اس لئے جب عرض کرتا ہوں۔

رات ہونے کے بعد عمر سعد نے حرؑ کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ لے یہ روٹی اور پانی کی مشکیں لے جا اور حسینؑ کے اہل وعیال کو دے دے۔ چند آدمی شمعیں لئے ہوئے چند ٹوکرے روٹیوں کے چند مشکیں پانی کی زوجہ حرؑ لے کر چلی۔

جناب زینبؑ نے دور سے روشنی دیکھی، گھبرا کے کھڑی ہوگئیں، بہ آواز بلند فرمایا۔ ہمارے ستانے والو، بس بس اب اس وقت تو رحم کرو۔ ہمارے بچے بیہوش پڑے ہیں، ہم کہیں بھاگ نہ جائیں گے۔ صبح کو جس قدر چاہنا لوٹ لینا۔ یہ آواز سن کر زوجہ حرؑ نے جواب دیا۔ بی بی میں دشمن نہیں ہوں۔ حرؑ کی زوجہ ہوں بچوں کے واسطے کچھ کھانا پانی لائی ہوں یہ کہتی ہوئی زوجہ حرؑ قریب آئی پہلے پرسا دیا پھر کھانا پانی پیش کیا۔ مجھ کو تو یقین ہے کہ بچے بیہوش پڑے ہوں گے۔ جناب زینبؑ نے حضرت سکینہؑ کے منہ پر پانی چھڑکا ہوگا۔ ممکن ہے چند قطرے منہ پر ٹپکائے ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس سوم

یاد اور یادگار

ازسرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ مِنْ یَوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِیْ کِتَابِ الْمُبِیْنِ وَھُوَ اَصْدَقُ الصَّادِقِیْنَ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ارشادِ اقدس الٰہی ہے کہ یاد دہانی کرتے رہیئے یہ یاد دہانی اہل ایمان کے فائدہ کا باعث ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ متعدد فرائض تھے جو خالق کی جانب سے عائد کئے گئے تھے۔ ایک فریضہ ہے "تبلیغ" جس کے معنی ہیں پہنچانا

جیسا کہ ارشاد ہوا بلغ ما انزل الیک من ربک پہنچا دیجیے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔" بلکہ عام طور سے بحیثیت رسالت ایک پیغمبر کا فریضہ یہی بتایا گیا ہے وما علی الرسول الا البلاغ (یعنی رسولؐ کا کام ہی بس پہنچانا ہوتا ہے)

دوسرا فریضہ ہے خبر دینا نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم (میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں) بلکہ نبی کا لفظ ہی بعض علماء کے نزدیک بناء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خبر اسی کے تحت بشارت ہے انذار ہے اسی وجہ سے آپ کے القاب ہیں بشیر ونذیر یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ان کے علاوہ ایک فریضہ تعلیم ہے لعلمهم الکتاب و الحکمۃ۔ (وہ انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)

مگر جس آیت کو میں نے سرنامہ کلام قرار دیا ہے اس میں فریضہ کی نوعیت مختلف ہے مثلاً تبلیغ "پہونچانا" اس میں بہت ممکن ہے وہ بات پہلے پہل پہنچائی جا رہی ہو خبر دینا بہت ممکن ہے اس کے پہلے وہ خبر نہ دی گئی ہو۔ بشارت پہلی دفعہ دی جا رہی ہو۔ انذار پہلی مرتبہ ہو رہا ہو تعلیم پہلی مرتبہ دی جا رہی ہو مگر یہاں کہا جا رہا ہے یاد دہانی کرتے رہیے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سبق دیے جا چکے ہیں، خبریں پہنچائی جا چکی ہیں مگر منظور خالق یہ ہے کہ یہ نقش تازہ ہوتا رہے اور دماغ انسانی سے یہ یاد مٹنے نہ پائے قرآن مجید نے یہ کہا کہ یاد دہانی کراتے رہیئے مگر وہ کیا چیزیں ہیں جن کا یاد دلانا منظور خالق ہے۔ اسے قرآن مجید پیش نہیں کرتا پھر اسے کیوں کر سمجھیں ہیں سمجھتا ہوں کہ اس کے سمجھنے کا وہی ذریعہ ہے جو قرآن مجید کے ہر اجمال کی تفصیل

سمجھنے کا طریقہ ہے۔

قرآن مجید نے کہا اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز پڑھو) نماز کیوں کر پڑھو؟ اس کا کوئی ذکر نہیں دینیات کی پہلی کتاب جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اس میں بھی ترکیب نماز درج ہوتی ہے لیکن قرآن مجید میں نہیں۔ وضو کی ترکیب ہے۔ تیمم کی ترکیب ہے مگر نماز کی ترکیب قرآن کریم میں شروع سے آخر تک کہیں نہیں۔

ہاں کسی جگہ ملے گا وَارْکَعُوا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ (رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) اب درج کر لیجئے فہرست میں رکوع کہیں ہے۔ لِلّٰہِ یَسْجُدُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں سب جو آسمان اور زمین میں ہیں) اسے دیکھ کر لکھ لیجئے سجدہ۔ کہیں ہے؟ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (اپنے پروردگار کی تکبیر کہو) درج کر لیجئے۔ تکبیر سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ (اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو) اس سے تسبیح لکھیے اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھو) اب قرأت بھی لکھ لیجئے مگر قابل غور اصولی پہلو یہ ہے کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ اجزائے نماز ہیں۔ مگر قرآن میں یہ کہاں ہے کہ یہ اجزاء اس نماز کے ہیں جس کا اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ میں حکم دیا گیا تھا آخر اسی قرآن میں روزہ کا بھی تو حکم ہے مگر وہ جزو نماز نہیں ہے۔ مستقل عبادت ہے حج کا بھی حکم ہے مگر وہ جزو نماز نہیں ہے اسی طرح ممکن تھا کہ رکوع مستقل عبادت ہو سجدہ مستقل عبادت ہو اور پھر صلوٰۃ کوئی اور چیز ہو۔ یہ کس نے بتایا کہ یہ سب نماز کے اجزاء ہیں۔

اچھا یہ اگر کسی طور سے سمجھ بھی لیجئے تو یہ سب تو مفردات ہیں مگر یہ نسخہ مرکب کیوں کر ہو۔ اگر کوئی مسلمان سجدہ کرے اور پھر قیام کر لے۔ پھر قرأت کرے۔

پھر تسبیح پڑھ لے اور پھر اللہ اکبر کہے تو قرآن کے بتائے ہوئے سب اجزا عمل میں آ گئے مگر کیا نماز ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو دیکھ کر نماز نہیں ہوئی ہے۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر نماز ہوئی ہے۔

اسی طرح قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ہے مگر نصاب زکوٰۃ، مقدار زکوٰۃ اور شرائط زکوٰۃ ان تمام مسائل کا کوئی ذکر نہیں۔ حج کر لیجئے لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (لوگوں پر خانہ کعبہ کا قصد لازم ہے) مگر قصد کر کے کیا کریں، مناسک حج کا بیان بالکل نہیں۔

اب ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ کیا متکلم قرآن معاذ اللہ نماز کا حکم دیتے ہوئے یہ بھول گیا کہ ترکیب نماز بھی بتانا ہے۔ زکوٰۃ کا حکم تو دے دیا اور رواداری میں مقدار زکوٰۃ کا بیان رہ گیا۔ حج کا حکم دے دیا اور سہواً مناسک حج کا بیان چھوٹ گیا۔

عام متکلم سے بھی یہ بھول ایک دو دفعہ ہو گئی۔ مگر ہر دفعہ بھول ہو۔ یہ خلاف تصور ہے ــــ یہاں زکوٰۃ یا کسی دوسری ایک ہی چیز کی تفصیل رہ جاتی تو کوئی جاہل یا کافر سمجھ لیتا کہ یہ بھول کا نتیجہ ہے مگر صلوٰۃ میں بھی اجمالی حکم موجود اور تفصیل غائب۔ حج میں بھی حکم موجود مناسک حج ندارد۔ زکوٰۃ خمس ہر جگہ یہی بات تو اسے عام متکلم کے یہاں بھی سہو پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ متکلم تو انسانوں میں کا کوئی شخص نہیں ہے باجماع امت قرآن کے اصل متکلم خود رسولؐ بھی نہیں ہیں کہ رسولؐ میں ایک مکتبہ خیال بشریت کے لحاظ سے سہو کا تصور کر سکے ــــ یہ متکلم تو خدا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے یہاں

بشریت کا کوئی جنبہ نہیں ہے لہذا کلام الٰہی میں کوئی اللہ کا بندہ سہو و نسیان کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی تصریح ہے مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے) پھر جب بھول کر تفصیلات ترک نہیں ہوئے ہیں تو اسے ارادی فعل ماننا پڑے گا اور اس بناء پر میں کہتا ہوں کہ قرآن نازل ہوا ہے۔ اس صنعت میں کہ وہ کافی نہ ہو۔ اللہ چاہتا یہ تھا کہ رسول سے دنیا بے نیاز نہ ہو جائے۔ اس نے قرآن میں ہمیں ہر ہر قدم پر رسول کا محتاج بنا دیا ہے قرآن کہہ رہا ہے۔ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ۔ (مگر جب تک رسول سے نہ پوچھو نماز پڑھ ہی نہیں سکتے زکوٰۃ دے ہی نہیں سکتے) قرآن حج کا حکم دے رہا ہے مگر آپ "حاجی صاحب" بن ہی نہیں سکتے جب تک رسول سے حج کے احکام معلوم نہ کریں یعنی قرآن سہارا لے رہا ہے ناطق معلم کا۔ اسی لئے جب معیار محبت الٰہی بتانا ہوا تو قرآن نے کہا قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي (اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول کا اتباع کرو)

کوئی سمجھ رہا تھا کہ محبت الٰہی کرنا ہو تو اللہ کے نام کی ضربیں لگائیں یا ہو کے نعرے لگائیں، تختے پر جسم کو معلق کریں یا سیخوں پر ـــــ مگر قرآن نے یہ سب کچھ نہیں کہا اس نے نام لے کر کوئی کام بتایا ہی نہیں۔ اس نے ایک تو ایک فرد کے نقش قدم کو پیش کر دیا اب اللہ سے محبت کرنا قیامت تک ہر مسلمان کو ہے جب تک خدا خدا ہے اور بندے بندے ہیں انھیں اس سے محبت کرنا ہے اور محبت کے لئے قرآن نے کچھ کاموں کی فہرست بتائی نہیں کہ اس فہرست کو

حفظ کر لیں اور اللہ سے محبت ہو جائے قرآن نے تو یہ کہا کہ اللہ سے محبت کرتے ہو تو ان کے نقش قدم پر چلو۔ اب اگر قرآن کی ہدایت سے اس نقش قدم پر نظر جمالی تو پھر چاہے اس آیت کو بھول بھی جائیں تب بھی وہ نقش قدم منزل تک پہنچا دے گا لیکن اگر وہ نقش قدم نظر سے اوجھل ہو گیا، تو قرآن کے ان الفاظ کا یاد کر لینا منزل تک کبھی نہیں پہونچا سکتا۔

معلوم ہوا کہ ہر منزل اجمال قرآن میں ہے اور منزل تفصیل عمل پیغمبرؐ میں ہے تو اسی طرح قرآن کا حکم ذکر یاد دہانی کرتے رہنے مجمل ہے۔

اس کی تفصیل سمجھنے کی صورت یہ ہے کہ عمل پیغمبرؐ دیکھئے جن چیزوں یا شخصیتوں کی یاد دہانی پیغمبرؐ کرتے رہے ہوں وہی مطلوب خالق ہے اس کے علاوہ وہ نظام شریعت دیکھئے جسے پیغمبرؐ نے پہنچایا۔ اس میں جن یادوں کے قائم رکھنے کا انتظام کیا گیا ہو انھیں مطلوب باری سمجھے۔

جب ہم اس طرح دیکھتے ہیں تو بلا شبہ اصل اصول تو اللہ کی یاد ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہی پیغام تھا کہ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ (کہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں تمھارا ہی فائدہ ہے)

یہی قرآن کہہ رہا تھا کہ یاد دہانی کیجیے۔ اس یاد دہانی میں انہی کا فائدہ ہے اب قرآن اور ارشاد رسولؐ سے یہ اصول قائم ہو گیا کہ جن کی یاد دہانی ہو اس سے فائدہ انہی کو پہنچے گا جو یاد قائم رکھیں گے۔ نہ کہ ان کو جن کی یاد ہو۔

چنانچہ اللہ کی یاد سے اللہ کا نہیں بندوں کا فائدہ ہے اور یہ وہ منزل ہے کہ کوئی اللہ کا ماننے والا یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ اللہ کو فائدہ پہنچائے گا۔

وہ تو بے نیاز مطلق ہے اگر تمام دُنیا سر بسجود ہو جائے تو اس کے جاہ وجلال میں اضافہ نہیں اور اگر سب مِل کر اس کے منکر ہو جائیں تو اس کے جلال وجبروت میں ذرہ بھر کمی نہیں۔ یوں تو اس زمانہ میں گویا ترقی پسندی کی علامت سمجھا جاتا ہے خدا کا انکار یعنی دل و دماغ میں چاہے خُدا ہو مگر زبان پہ نہ ہو۔ یہ جب کہنے لگتے ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں تو سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بڑے آدمی ہو گئے۔ یہ خدا کے منکر و باغی ہیں مگر یہ انکار زبان سے اس وقت تک ہے جب تک اس نے یہ زبان متحرک بنا رکھی ہے، اور آپ کے ارادہ کی تابع بنا رکھی ہے۔ اس وقت تک چاہے اقرار کر لیجئے چاہے انکار۔ مگر وہ اس زبان کو خاموش کر دے تو کلام تو کر لیجئے۔ ہاتھ آپ کے قابو میں دے رکھے ہیں — چاہے گرتوں کو سنبھالیے چاہے گھر جلائیے مگر وہ شل کر دے تو ہاتھ کو حرکت تو دے لیجئے پیر قابو میں دے رکھے ہیں چاہے صحیح راستہ اختیار کیجئے یا غلط لیکن اگر وہ مفلوج کر دے، تو جنبش تو کر لیجئے اسلام کا مطالبہ صرف شرافت نفس کا مطالبہ ہے یعنی جس کی اطاعت جبراً کرنا ہی ہے، اس کی اطاعت خوشی سے بھی کر لیجئے، ورنہ جس بات میں اطاعت اسے بہر صورت کرانا ہے وہ تو کرا ہی لے گا فرق یہ ہو گا کہ اس صورت میں ثواب کا حق نہ ہو گا۔

ہم نے سُنا ہے کہ بعض ملکوں میں دعویٰ کیا گیا کہ ہم نے خدا کو اپنے یہاں سے نکال دیا مگر کیا وہ نکل بھی گیا؟ کوئی حکومت الٰہیہ سے بغاوت کا کتنا ہی بڑا دعویدار ہو میں تو جب جانوں کو جب وہ بھیجے تو یہ نہ آئے اور جب وہ بلائے تو یہ جائے نہیں۔ مگر صورت واقعہ تو یہ ہے کہ جب اس نے بھیجا تو یہ آئے اور جب وہ بلائے

گا تو چپکے چلے جائیں گے۔ سانس بھی تو نہیں لیں گے پھر ایسی بے نیاز مطلق جو ذات ہو اس کو ہماری یاد سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

دوسری یاد رسولؐ کی یاد ہے ہر مکتب خیال کے مسلمانوں کے نزدیک اذان میں شہادت رسالت ضروری ہے پھر یہ کہ فقہ اسلامی کی کسی کتاب میں موذن کو ہدایت نہیں کہ شہادتِ توحید دو مرتبہ ہو لیکن شہادت رسالت ایک دفعہ ہو تاکہ خالق و مخلوق میں فرق ہو جائے یا یہ کہ واجب نہ سہی مستحب ہو تاکہ شہادت توحید ذرا بلند آواز سے اور شہادت رسالت کو مدھم آواز سے کہے۔ ہرگز ایسی کوئی ہدایت نہیں بلکہ جس طرح شہادت توحید اسی طرح شہادت رسالت یہ تو ہے اذان اس کے بعد اقامت۔ یہ تو نماز کے ساتھ دست و گریباں ہے۔ فرادی نماز میں بھی اقامت کہہ لی جاتی ہے کیوں کہ اس کا تاکیدی حکم ہے۔ اقامت میں بھی شہادتِ توحید کے ساتھ شہادت نبوت ضروری ہے۔ آپ اقامت ہی نہ کہیئے وہ اور بات ہے لیکن اگر اقامت کہیئے گا تو شہادت توحید کے ساتھ شہادت رسالت ادا کرنا ہوگی۔

اب خود نماز میں آئیے۔ ہر دوسری رکعت میں اور آخری رکعت میں جو نماز میں تشہد یا اَلتَّحِيَّاتُ پڑھا جاتا ہے وہ کیا ہے؟ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اب مسلمانوں کو غور کرنا ہے، نماز ایسی اہم عبادت میں خلوص نیت لازم اس میں ذکر رسولؐ اور تصور رسولؐ یہ منافی اخلاص تو نہیں ہے؟ شرک تو نہیں ہوگا؟ یاد رکھیئے کہ شرک سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے اور نماز بھی ہر مسلمان کو

پڑھتا ہے تو اب ہم سب ایک کشتی پر سوار ہیں۔ نماز کے اندر رسول شریک ہو گئے ہیں۔ پھر بھی شرک نہیں ہے۔ اس کا راز ہر مسلمان کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔
اب جو حل میں پیش کروں یا تو اسے دنیا قبول کرے اور دل چاہے تو شکر گزار ہو کہ میں نے سب کا بھار ہلکا کر دیا ہے ورنہ خود کوئی حل پیش کرے میں اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ جو ذکر رسولؐ ہو رہا ہے وہ کیا ہے؟ اگر یہ ذکر ہو کہ کسی بڑے باپ کے بیٹے ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا ہے ــــ یہ ذکر ہو کہ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا؟ یہ ہو کہ وہ ملک عرب کے تاجدار ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا ہے لیکن یہ ذکر کہ محمد خدا کے رسولؐ اور اس کے بندۂ خاص ہیں یہ تو عین ذکر خدا ہے۔

اس سے یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ جو ذکر رسولؐ کا مادی خصوصیات کے لحاظ سے ہو، وہ تو بس ذکر رسولؐ ہو سکتا ہے لیکن جو اللہ کے رشتے سے وہ عین ذکر خدا ہے بس اب یہ اصول محفوظ رکھنا چاہیئے۔

رسولؐ کی تعظیم بھی اگر بڑے باپ کے بیٹے کی حیثیت سے ہو، بنی ہاشم کی ممتاز ترین فرد کی حیثیت سے ہو۔ ملک عرب کے تاجدار کی حیثیت سے ہو تو وہ صرف رسول کی تعظیم ہو گی لیکن جو تعظیم اللہ کے رسول کی حیثیت سے ہو وہ اللہ کی تعظیم ہو گی
اب جو مسلمان روضۂ رسول کو بوسہ دیتا ہے اُس سے پوچھیئے کہ وہ کیا عرب کے تاجدار کی ضریح کو بوسہ دے رہا ہے یا رسول خدا کی ضریح کو؟ یہ بوسہ ضریح رسول کا ہے مگر عبادت اللہ کی ہے
بس اب اسی اصول کو گرہ میں باندھ لیجئے کسی کی بھی تعظیم مادی خصوصیات

کے لحاظ سے ہو تو وہ اس شخص کی تعظیم ہو گی لیکن اگر اللہ کی نسبت کے لحاظ سے ہو تو وہ عین خدا کی تعظیم ہو گی اور کسی طرح شرک قرار نہیں پا سکتی لہذا اگر فدیۂ راہ خدا کی تعظیم ہو تو اسے بھی تعظیم خالق سے جدا نہیں سمجھنا چاہیئے بھلا اگر مادی خصوصیات کے لحاظ سے جھکنا ہوتا تو دمشق، بغداد اور قرطبہ کی بارگاہوں پر سجدہ ریزی نہ کرتے؟ ارے جو لٹی ہوئی بارگاہوں کو یاد کریں ان کے عمل میں للیت کے سوا اور جذبہ ہی کیا کارفرما ہو سکتا ہے؟ سوا خدا کے رشتے کے کیا ہو سکتا ہے جو محرک تعظیم ہو؟

اب یہ غور کرنا ہے کہ اذان میں ذکر رسولؐ داخل ہوا، اقامت میں داخل ہوا نماز میں داخل ہوا تو یہ سب کیا پیغمبرؐ نے خود کر دیا؟ صرف اس لئے کہ میرا نام باقی رہے؟ اگر کسی نے یہ خیال کر لیا تو ایمان رسالت پر ختم ہو گیا پھر قرآن میں دیکھئے ارشاد ہو رہا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا)

قرآن میں جب الوہیت اور خصوصیات الوہیت کا ذکر ہوتا ہے تو "میں" کہا جاتا ہے کہ غیر کے شرک کا شائبہ پیدا نہ ہو اِنِّي اَنَا رَبُّكُمْ (میں تمہارا پروردگار ہوں)، مگر جہاں زور عمل دکھانا ہوتا ہے وہاں "ہم" کہا جاتا ہے جہاں یہ لفظ ہو وہاں امکانی طاقتوں کو ایک چیلنج ہوتا ہے جیسے اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (ہم نے آپ کو کثرت نسل عطا کی)، اب اسے مٹا کون سکتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اسے ختم کون کر سکتا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہو رہا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے آپ کے

ذکر کو اونچا کیا ہے) یعنی اسے اب نیچا کون کر سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ رسولؐ کا انتظام نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف کا انتظام ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے قرآن مجید میں ہے فَاذْكُرُونِیۡٓ اَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں) یعنی صلہ از جنس عمل ہوتا ہے ہم یاد کریں گے اسے اپنے امکان کی عاجزی کے ساتھ وہ ہمیں یاد کرے گا اپنے وجوب کی توانائی کے ساتھ اب کرنا تو ہے محدود چیز لیکن جو اس کے ذکر کو قائم کرے وہ اس کے لئے کیا کرے گا یہی کہ وہ اس کے ذکر کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دے۔

یہاں تک کہ ذکر خدا و رسولؐ کی منزل طے ہوئی۔ اب کوئی اور چیز ہے جس کا ذکر پیغمبر خدا وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہوں، یہ کوئی اور چاہے شخصیتیں ہوں چاہے واقعات تلاش سے ہمیں سیرت رسولؐ میں ہستیاں اور واقعات دونوں ہی مل جاتے ہیں جن کا وقتاً فوقتاً ذکر سیرت و سنت رسولؐ رہا۔

یہ ہستیاں اہلبیتؑ رسول کی ہیں یہ رسولؐ کے خاص قرابت دار ہیں یعنی ایک رسولؐ کی بیٹی ہے جس کا تذکرہ بار بار فرما رہے ہیں۔ ایک داماد ہے جو داماد ہونے سے پہلے آپ کا بھائی بھی تھا اور دو نواسے ہیں یہ وہ ہیں جن کا ذکر بار بار فرما رہے ہیں۔

اب ایک مکتبہ خیال ہے جس کے دماغ میں یہ خلش ہے کہ بیٹی اور داماد نواسوں کا ذکر بار بار کیوں ؟ میں اس منزل پہ ہر صاحب عقل کو مخاطب کرتا ہوں یاد رکھنا چاہئے کہ داماد نواسے آل اولاد سب کی منزل اپنی ذات کے بعد ہے اصل محبت ذات سے ہوتی ہے اور وہی بیٹی داماد اور نواسوں سے

محبت کا سبب ہوتی ہے۔

اب ایک مسلمان وہاں سے گزر گیا جہاں اپنا نام اذان اقامت اور نماز میں رکھا جارہا تھا وہاں یہ نہ سوچا کہ انہوں نے اپنے نام کی خاطر شریعت کے احکام بنا دیئے ہیں تو اب اہل بیت تک پہونچ کر کیوں اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈال رہا ہے۔

اگر اپنے نام کا رکھنا فریضۂ الٰہی کے احساس سے ہے تو اہلبیت کا بار بار ذکر کرنا بھی اسی احساس کا نتیجہ ہے نہ وہ اس لئے تھا کہ میرا نام رہے نہ یہ اس لئے ہے کہ یہ میرے بیٹی اور داماد ہیں —— بلکہ ان کے نام کی بقا سے اسلام باقی ہے اور یہ ان کے اہل بیتؑ بھی کچھ ایسے ہی ہیں کہ ان کے ذکر کے قیام سے مقاصد الٰہیہ کا قیام ہے۔

نہ اللہ کی یاد اللہ کے فائدے کے لئے تھی نہ رسولؐ کی رسولؐ کے فائدے کے لئے اور ان کے اہلبیتؑ کی یاد ان اہلبیتؑ کے فائدے کے لئے بلکہ سب خلق خدا کے فائدہ کے لئے تھا۔

اب سوچئے سمجھئے کہ اہل بیتؑ کی یاد سے خلق خدا کا کیا فائدہ ہے؟

کہا جاتا ہے کہ اتنے فضائل ان حضرات کے بیان کئے جاتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کا کوئی اور کام ہی نہ تھا سوا اپنی بیٹی داماد اور نواسوں کے فضائل بیان کرنے کے۔ اسے ایسے انداز میں کہا جاتا ہے کہ سننے والا جیسے شرما جاتا ہے مگر میں تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہوں گا کہ یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ رسولؐ کیسے ہیں کہ بس ہر وقت قرآن ہی قرآن پڑھا کرتے

ہیں انھیں کچھ اور آتا ہی نہیں۔ کیا یہ سوال کوئی معقولیت رکھتا ہے؟

حضور والا! یہ اسی قرآن کی تعلیم کے لئے آئے ہیں تو قرآن نہیں تو کیا توریت انجیل اور زبور پڑھیں۔ جس کتاب کی تبلیغ کے لئے آئے ہیں تو جو اس کے سبب سے حسین مرقعے ہیں انہی کو سامنے لاتے ہیں۔

جدید طریقۂ تعلیم یہ ہے کہ براہِ راست تعلیم نہ ہو بالواسطہ تعلیم ہو یعنی حروف یاد نہ کرائیے تصویریں دکھائیے بچہ سمجھے گا تصویریں دیکھ رہا ہوں اسی ذیل میں اس کو وہ حروف یاد ہو جائیں گے۔

دنیا اس راز تعلیم کو آج سمجھی ہے مگر خدا اور رسولؐ اس راز سے پہلے ہی واقف تھے۔ قرآن پڑھنا جو تھا وہ براہِ راست تعلیم تھی اور اہل بیتؑ کو دکھانا بالواسطہ تعلیم تھی۔

جس طرح اس وقت تعلیم دو طرح ہو رہی تھی وہی صورت آج بھی ہے۔ ہماری مجلسیں بھی مدرسوں کی طرح تعلیم گاہیں ہیں مگر مدرسے ہیں براہِ راست تعلیم کا مرکز اور مجلسیں ہیں بالواسطہ تعلیم کا مرکز یہاں رونے آتے ہیں اور کتنے سبق پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ حقائق ان کے کتنے درس سننے والوں تک پہنچ جاتے ہیں تذکرہ حسینی کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین کے واقعات یاد ہوتے ہیں اور توحید سے لے کر معاد تک کے تمام اصول دین بہ دلائل گوش گزار ہوتے ہیں حسینؑ کی یاد میں مضمر ہے ان کے پیش رو تمام حامیانِ حق کی یاد اور کیوں نہ ہو ان کی قربانی میں سب کی قربانی مضمر ہے۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر ایک چیز کا نام لے کر کہا کہ اس کی یاد تازہ

کرو۔ وہ کیا ہے ؟ ذکرھم بایام اللہ (یعنی اللہ کے دنوں کی یاد تازہ کرو)

اللہ کے دن کون ہیں؛ وہ جن میں کوئی معرکۂ حق و باطل ہوا ہو جس دن اس کی راہ میں کوئی کارنامہ ہوا ہو اس سے ثابت ہے کہ ایسے کسی دن کی یاد قائم کرنا بدعت نہ ہوگی۔

دن یاد دلایا جا رہا ہے تو تاریخ کے تعین کے ساتھ یادگار قائم کرنا قطعاً بدعت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قربانی اسمٰعیلؑ کی یاد دن کے تعین کے ساتھ ہی قائم ہے اور بلاتفریق فرقہ اجماع امت ہے یہ یاد قائم رکھی گئی ہے عید الاضحٰی کے نام سے یہ یاد ہے قربانی اسمٰعیل کی۔

اب مسلمان غور کریں کہ کسی دن جمع ہو کر تذکرۂ اسمٰعیلؑ ہو جایا کرتا مگر وہی سا دن مقرر کر دیا جس دن قربانی ہوئی تھی ۱۰ ذی الحجہ اور صرف روز قربانی ہی نہیں بلکہ اس کے پہلے ایک دن روز عرفہ کو بھی یاد رکھا گیا اس عشرہ کو ذی الحج کے تمام و کمال اہمیت ہو گئی کہ حج کا احرام انہی میں بندھتا ہے؛

پھر اسمٰعیلؑ کی خاطر عشرہ ذی الحجہ یادگار بن گیا تو حسینؑ کی خاطر عشرہ محرم کیوں نہ یادگار رہے۔ یہ قربانی خاص دسویں محرم کو ہوئی مگر عشرہ کا جو دن ہے وہ اس قربانی کے سفر کی ایک منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب حسینؑ کربلا پہنچے تو نام پوچھا۔ جب کسی نے کہہ دیا "کربلا" تو مولا نے فرمایا ھھنا واللہ مناخ رکابنا۔ (یہاں بخدا ہمارے خیمے نصب ہونگے یہ آج کی تاریخ کا حال ہے پھر) سفك دمائنا (یہیں ہمارے خون بہائے

جائیں گے ، یہ دسویں کی عصر تک حال ہو گیا اس کے بعد وهتك حريمنا (یہیں ہماری ہتک عزت ہو گی) یہ عصر عاشور کے بعد سے رہائی اہل حرم تک کی مدت کا پورا حال ہے۔

وہ قربانی اسمٰعیلؑ کی یاد تھی اور یہ حسینؑ کی قربانی کی یاد ہے قربانی اسمٰعیلؑ کا عشرہ قربانی تک ختم ہو گیا لیکن قربانی حسینؑ کا ایک عشرہ قربانی تک ہے یہ بھائی کا عشرہ ہے اور دوسرا عشرہ قربانی کے بعد شروع ہوتا ہے یہ بہن کا عشرہ ہے وہ عشرہ دس دن کا تھا مگر اس دوسرے عشرے کی تعداد کا تعین نہیں ہو سکتا جب کہ رہائی دوسرے سال ہوئی ہو تو اب سال کا ہر دن زینبؑ کا ہو گیا وہ قربانی حسینؑ تھی اور یہ قربانی زینبؑ۔

اب مسلمان انصاف کریں کہ خلیلؑ کا فرزند قربان ہو تو یاد قائم کی جائے اور حبیب خدا کا فرزند قربان ہو تو یاد کرنا بدعت ہو ؟ حالانکہ خلیل اللہ سے ہمارا رشتہ اعتقادی ہے عملی نہیں تو گذشتہ دور کے رسولؑ کے کارنامہ کی یاد قائم رکھے جانے کے قابل ہو اور اپنے رسولؐ کے کارنامہ کی یاد قائم نہ رکھی جائے ؟

اب کہا جاتا ہے کہ یاد بطور غم کیوں منائی جائے یوم مسرت منایا جائے یہ بہت سمجھ بوجھ کر بات کہی جا رہی ہے یاد رہے کہ مسرت میں صلاحیت بقا نہیں جو غم میں جاذبیت ہے وہ مسرت میں نہیں۔ جب خوشی منائی جائے تو وہ خوشی ہماری ہی رہے گی لیکن جب غم ہوتا ہے تو دنیا اس میں شریک ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو غیر فطری بنا دیں لیکن ہم اس فریب

میں آنے والے نہیں۔

منطق کا جواب منطق ہی سے دیا جا سکتا ہے حسینؑ کی یاد خوشی کی صورت میں اس وقت منائی جاتی کہ جب قربانی اسمٰعیلؑ کی یاد بطور غم ہوتی۔

پھر سنیے اور یاد رکھیے کہ اگر قربانی اسمٰعیلؑ کی یاد بطور غم ہوتی تو قربانی حسینؑ کی یاد بطور خوشی ہوتی۔ مگر وہ عید ہے۔ عید کاہے کی ہے؟ یہی تو کہ نبی زادہ بچ گیا تو اب محرم میں ماتم کیجئے غم منایئے کہ رسول زادہ مارڈالا گیا اور پیغمبرؐ کا باغ تاراج ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ فرزند رسولؐ درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے تو اس پر خوش ہونا چاہیئے، مگر اس درجۂ رفیعہ کے تقاضوں کو یہ لوگ زیادہ جانتے ہیں یا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ تو پھر دیکھئے کہ رسولؐ خدا روز عاشور خوش و مسرور نظر آئے یا مغموم و گریاں۔

صحاح ستہ میں سے صحیح ترمذی ملاحظہ ہو:

عصر عاشور ام سلمہ نے رسولؐ اللہ کو سر برہنہ دیکھا اس طرح کہ سر وریش مبارک پر مٹی پڑی ہے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون تازہ جوش مار رہا ہے فرمایا میرا فرزند حسینؑ شہید کر دیا گیا یہ میرے سر و ریش پر خاک کربلا اور شیشے میں حسینؑ اور انصار حسینؑ کا خون ہے جسے میں جمع کرتا رہا ہوں۔

رسولؐ اپنے حسینؑ پر رو رہے ہیں تو حسینؑ علی اکبرؑ کی لاش پر رو رہے ہیں اب کوئی نہ کہے کہ یہ شان حسینؑ کے خلاف ہے۔ رسولؐ زندگی میں بھی روئے اسی طرح حسینؑ بھی رو رہے ہیں یہ خلاف صبر نہیں ہے صبر تو یہ

ہے کہ جو جوان کو رو چکا وہ چھ مہینے کے بچے کو بھی ہاتھوں پر قربان کرنے کے لئے لاتا ہے۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ کہاں تک روؤ گے؟ بس رو چکے اتنے دن کہیں رویا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تو قدرت کا انتظام ہے۔ اسباب ظاہری کے لحاظ سے اگر انھیں رو لینے دیا ہوتا جنھیں رونے کا حق تھا تو شاید رونا اتنا دیرپا نہ ہوتا۔

حسینؑ کو رونے والوں کی کمی نہ تھی۔ زینبؑ وام کلثومؑ ایسی بہنیں لیلیٰؑ و ربابؑ ایسی بیبیاں۔ سکینہؑ و فاطمہؑ ایسی بیٹیاں مگر انھیں روتے ہی کب دیا گیا ادھر شہادت کی خبر آئی ادھر دشمن آگ لے کر آگئے۔ اب پردہ کے لئے جہاد کریں کہ روئیں اور پھر گیارھویں کو شہزادیاں قید تھیں اور راہ کوفہ و شام میں اگر کسی کی آنکھ میں اشک آتا تو اشقیاء نوک نیزہ سے اذیت دیتے تھے۔

اللہ نے ان کے ضبط و سکون کا بدلا ان کو دیا کہ تمھاری نیابت میں آسمان زمین روئیں گے جو آج حسینؑ کا ماتم کر رہے ہیں وہ سب زینبؑ کی نیابت کر رہے ہیں۔

زینبؑ بھی رونے ہی کی پیاسی تھیں ——— حالانکہ جب سے ساتویں محرّم کو کربلا میں پانی بند ہوا تھا پھر آج تک اتنا پانی نہ ملا تھا کہ جو سیراب کرتا، مگر پیاس تھی تو آنسوؤں کی چنانچہ جب حکم رہائی ملا یزید نے کہا خواہ یہاں رہیئے یا مدینہ جائیے آپ کو اختیار ہے یہ خاندان رسالت کا حفظ مراتب تھا کہ سید سجاد کہتے ہیں کہ بغیر پھوپھی سے پوچھے کچھ نہیں

کہہ سکتا۔

شاید یہ پہلا موقع تھا کہ یزید نے سید سجاد کو بلایا تھا اور زینبؑ ساتھ نہ تھیں۔ معلوم نہیں اتنی دیر میں زینبؑ پر کیا گزری۔ غالباً بھتیجے نے پھوپھی کو دروازہ پہ پایا ہو۔ جونہی بھتیجا آیا سر سے پیر تک دیکھا ہوگا فرق تو محسوس ہی کر لیا۔ آئے ہیں تو ہتھکڑیاں بیڑیاں کاٹی جا چکی ہیں طوق الگ کیا جا چکا ہے۔

پوچھنے پر بتایا کہ یزید نے رہا کر دیا ہے اور کہا ہے کہ چاہے یہاں رہیں چاہے مدینہ جائیں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا پھر تم نے کیا کہا۔ عرض کیا آپ سے بغیر پوچھے میں کیا کہہ سکتا تھا۔

یہ جناب امیرؑ کی بیٹی ہے جو سیاست شاہانہ کو شکست دے رہی ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ سیاستِ وقت کا دباؤ ہے جو مجبور کر رہا ہے، ہم مظلوموں کی دلجوئی پہ۔ فرمایا یزید سے میری طرف سے کہو ابھی تو ہم اپنے وارثوں کو روئے نہیں ہیں پہلے ایک مکان خالی کرا دے کہ ہم اپنے عزیزوں کو رو لیں پھر بتائیں گے کہ اب ہم یہاں رہیں گے یا مدینہ واپس جائیں گے۔

لیجیے حسینؑ کے ماتم کی صف بچھ گئی اب جو پتہ چلا کہ حسینؑ کا ماتم ان کے ورثاء کر رہے ہیں تو سوگواروں کا لباس پہن کر شرفائے قریش کی عورتیں آئیں —— یقیناً حضرت زینبؑ نے اس صف ماتم کے ساتھ ہزاروں دلوں میں حضرت امام حسینؑ کی صف ماتم بچھا دی۔

ہم سب بھی آج زینبؑ کی بچھائی ہوئی صف پہ ہیں۔

اب کون بتا سکتا ہے اس اثر کو لیلیٰ کی زبان اور علی اکبرؑ کا ماتم بیوہ حسنؑ کی زبان اور قاسمؑ کا بیان۔ زینبؑ کی زبان اور حسینؑ کا مرثیہ رباب کی زبان اور علیؑ اصغر کا نوحہ۔

اور پھر تو حضرت زینبؑ نے انتہا کر دی آپ سب کو اندازہ ہے کہ آخری مجلس میں ذاکر کے بیان کے بعد جب شبیہیں آجاتی ہیں تو کیا اثر ہوتا ہے۔ حالاں کہ ان شبیہوں میں کیا ہوتا ہے؟ ایک تابوت جس میں لاش کوئی نہیں ۔۔۔ ایک گہوارہ جس میں بچہ کوئی موجود نہیں ایک ذوالجناح جس پر سوار کوئی نہیں۔ اس سے کیا کہرام برپا ہوتا۔

اور وہاں جناب زینبؑ فرماتی ہیں کہ یزید سے کہو کہ جہاں اتنا کیا ہے ہمارے عزیزوں کے سر بھی بھیجدے ۔۔۔ لیجئے ماتمی صف بستہ کھڑے ہیں اور اٹھارہ سر لائے جاتے ہیں۔

واحسیناہ و اعباساہ و اعلی اکبراہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلسِ چہارم

ایک یادگار مسوّدہ

از افادات حضرت انتخاب العلماء سرکار مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ عرف مولانا کلن صاحب مجتہد جانشین حضرت غفران مآب و امام مسجد آصفی لکھنؤ طاب ثراہ

اعوذ باللہ السمیع العلیم من شیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرّحیم۔ الحمد للہ رب السمٰوٰت و الارض والصلوۃ والسلام علی افضل الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد و آلہ الطاہرین و لعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین اما بعد فقد قال اللہ سبحانہ تعالیٰ فی کتابہ المبین و ھو اصدق الصادقین و الھکم الہ واحدٌ لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔

(اے رسولؐ کہہ دو کہ تمہارا خالق کوئی نہیں ہے مگر اللہ جو ایک ہے وہی رحمان

بھی ہو اور رحیم بھی)

بے شک مسئلہ وجود باری عز اسمہٗ اس درجہ دشوار سمجھا جاتا ہے جس کی حد نہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ دشوار ہے مگر ساتھ ہی بے انتہا سہل بھی ہے۔ جو لوگ اس مسئلہ میں اُلجھ کے رہ گئے وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا وجود ماننے کے لئے اس کا دیکھنا یا کسی حس سے محسوس ہونا ضروری ہے اور خدا چونکہ حس بشری سے بالاتر ہے اس لئے اس کا وجود قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک حسِ بصر کا تعلق ہے اس پر اعتماد کرنا تو اس منزل میں بالکل خلاف عقل اور لاحاصل ہے اس لئے کہ ہم اپنی زندگی میں ہزارہا ایسی چیزوں کا یقین رکھتے ہیں جن کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ چمن میں جا کر پھولوں کی مہک سونگھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ موجود ہے مگر آنکھ سے کبھی اسے نہیں دیکھتے۔ آوازوں کے سوز و گداز، پھلوں کے ذائقے اشیاء کی سختی اور نرمی، گرمی اور ٹھنڈک کو ہم محسوس کرتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے وجود کا یقین رکھتے ہیں مگر نظر سے کبھی ان کو نہیں دیکھا اس لئے حاسہ نظر پر اعتماد کر کے خدا کا انکار کر دینا کسی طرح قرین عقل نہیں ہو سکتا اب رہی یہ بات کہ ہم ان چیزوں کو آنکھ سے نہ سہی دوسرے حاسوں سے محسوس کر سکتے ہیں مگر خدا کی ذات تو کسی حاسہ سے بھی محسوس نہیں ہوتی تو ہم دریافت کریں گے کہ مقناطیس کی قوت جاذبہ کو کس نے حاسہ بنایا اسی طرح حیوانی اور نباتی اجسام میں روح کی کرشمہ سازیوں کو حس کی کس قسم سے معلوم کیا گیا۔ حیرت ہے کہ ہم ہزارہا چیزوں کے وجود کا یقین رکھتے ہیں جنھیں ہمارا کوئی حاسہ محسوس نہیں کر سکتا مگر محض ان کا اثر دیکھ کر ہم ان

کے مؤثر کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ بلب کو روشن دیکھ کر اور مشینوں کو چلتا ہوا دیکھ کر، دیکھے ہوئے قوت برقی کے وجود کا ہمیں یقین حاصل ہوتا ہے۔ اعضاء و جوارح کی حرکت روح کے وجود کو ظاہر کر دیتی ہے، سیاروں اور ثوابت کا نظام ان کی باہمی کشش اور جذب پر دلالت کرتی ہے اور ہمیں کبھی اس میں میں کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اثر بغیر موثر کے ہو ہی نہیں سکتا۔

کیا اس کے بعد بھی اب اس میں کوئی شک رہ سکتا ہے کہ اس کائنات کی خلقت بغیر خالق کے نہیں ہو سکتی۔ خوشبو نے پھول کا پتہ دیا۔ مشینوں کی حرکت نے کہربائی طاقتوں کی طرف اشارے کئے۔ گردش کواکب نے نظام سیار و ثوابت کے اسباب سمجھائے تو جب اس کائنات کے ہر ذرّے کی حرکت اور اس کا سکون کسی مؤثر کا پتہ دے سکتا ہے چاہے اسے ہمارے مادی حواس محسوس کریں یا نہ کریں تو یقیناً یہ ساری کائنات مل کر اپنے حقیقی موثر اور خالق کا بھی پتا بتا سکتی ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو خلعت وجود سے آراستہ کر دیا اور ان میں تاثیریں بخشدیں جن تاثیروں کی بدولت عالم کی ہر چیز اپنی راہ پر گامزن اور اپنے کام میں مصروف ہے۔ (صلوٰۃ)

ہماری بنائی ہوئی مشینیں بگڑتی اور بنتی رہتی ہیں۔ ہم ان کو کتنی ہی مشقت سے تیار کریں، کتنی ہی دولت ان کے بنانے میں لگا دیں، بہترین پرزے استعمال کریں لیکن پھر بھی اس کی کوئی بھی شخص ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ وہ چلتے چلتے رک نہ جائیں گی۔ اور کام کرتے کرتے بگڑ نہ جائیں گی۔ اس نقص

وعیب اور کمزوری کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ بغیر بنانے والے کے وہ نہ بن سکیں اور بغیر دست صناع کی امداد کے وہ تیار نہ ہو سکیں تو پھر اب اندازہ کیجئے کہ یہ سیاروں کا نظام، یہ افلاک کی گردش، یہ لیل و نہار کی گردشیں، یہ گرمی اور یہ سردی کے دور، یہ نور و ظلمت کے اُجالے اور اندھیرے یہ نبات و جماد کی صلاحیتیں، یہ فصلوں کا تغیر، یہ رنگوں اور ذائقوں کا اختلاف، یہ زمینوں کی تربیّت اور برگ و بار کا نظام، بہار اور خزاں کا پے درپے آنا اور جانا۔ اس نظم و ترتیب میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس انتظام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ تو جب ناقص اور پُرعیب بغیر موثر اور بلا کسی علت و سبب کے نہ بن سکا تو بے عیب کائنات اور یہ کامل و اکمل مخلوق بغیر کسی صانع حکیم او قادر علیم کے کیونکر بن سکتی ہے۔ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور کارساز عالم کے وجود کو سمجھائیے۔ ہم کیونکر سمجھیں کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ البعرة تدل علی البعیر و الروثہ تدل علی الحمیر و آثار القدم تدل علی المسیر فھیکلُ علویٌ بھٰذہ اللطافۃ و مرکزُ سفلیٌ بھٰذہ الکثافۃ کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر۔

(اونٹ اور گدھے کے فضلے بتا دیتے ہیں کہ ادھر سے یہ جانور گزرے ہیں اسی طرح انسان کے نشانات قدم اس کی چال کی خبر دیتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے مؤثر کے قدم اس طرف آئے تھے تو کیسی حیرت

کی بات ہے کہ یہ معمولی چیزیں تو اپنے مؤثر اور اپنی علتوں کے وجود کی طرف اشارہ کریں مگر یہ بلند آسمان اپنی لطیف صنعت کے ساتھ اور یہ کرۂ ارض اپنے حجم، ثقل اور وزن کے ساتھ اور ان صنعتوں کے باوجود جو صانع قدرت نے اس کے دامن میں ودیعت فرمائی ہیں کیا کسی لطیف وخبیر صانع اور کسی حکیم مطلق پروردگار کے وجود کو نہیں بتا سکتیں۔)

یقیناً بتاتی ہیں اور بلاشبہ ہمیں اس خالق عالم کے وجود سے آگاہ کرتی ہیں جس کے کرشمۂ قدرت نے عدم کو وجود سے بدل دیا جس کی آواز "کُن" نے دامن کائنات کو "یکُون" سے بھر دیا اور ہیولیٰ اور مادّے کے خشک وادیوں کو رنگ وبو کی جنّتوں سے آباد کر دیا۔ ذالك تقدیر العزیز العلیم یہ سب اسی قوی اقتدار صانع کا معیّن اور مقدور کیا ہوا نظام ہے جو صاحب عظمت اور سب سے بڑا جاننے والا ہے (صلوٰۃ)

دنیا والوں کے بنائے ہوئے نظام بدلتے رہتے ہیں مگر جو اللہ ان سب کا خالق ہے اس کے مقرر کئے ہوئے راستوں میں فرق نہیں آ سکتا اسی لئے قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت (رحمان کی صنعت وخلقت میں تم کو تفاوت اور تبدیلی نہیں ملے گی) کائنات کی کوئی طاقت اس کے مقرر کیے ہوئے نقشہ کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی۔ ہاں اگر وہ خود ہی چاہے تو زمین کو آسمان بنا دے اور نور کو تاریکی کا لباس پہنا دے۔ خود اسی کی مشیت ہو تو بر کو بحر میں بدل دے اور سبزہ زاروں کو ریگستان بنا دے، پہاڑوں کو صحرا کر دے، سمندروں کو جما کے راستے خلق کر دے، رود نیل کے بہاؤ

کو روک کر کلیم اللہ کے لئے راہیں نکال دے اور اس میں کفر کو غرق کر دے اور ایمان کو نجات دیدے۔ اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ دریا کی موجوں سے ڈبونے کی صلاحیت چھین لے اور صندوق موسیٰؑ کو وہی ڈبونے والی موجیں اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے قصر فرعون تک پہنچا دیں۔ (صلوٰۃ)

کائنات کی ہر شے اس کے چشم وابرو کے اشارے کی منتظر ہے وہ اگر نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر چاہے تو آگ کے شعلوں کی فطرت بدل جائے اور جلانے کے بجائے برد و سلام بن کے ابراہیمؑ خلیل کی نبوت کا رنگ جما دے اور نار میں نور کی برودت پیدا کر دے، انگاروں کو چمن کے پھولوں کی صفت دیدے۔ اس کی مشیت کے تابع ہے سارا عالم وہ اگر چاہے تو ہواؤں کو مسلط کر کے قوم ثمود کی طرح آبادیوں کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا ڈالے اور چاہے تو ان ہی آندھیوں اور طوفانوں کو اشارہ سلیمانی کا مطیع اور تابع کر دے اور پہاڑوں کو اڑا دینے والی ہوائیں بساط سلیمان کو اپنے دوش پر بلند کر کے فضا کے فاصلے طے کرتی رہیں۔ اس کی مشیت ہو تو پانی کی چادریں کرۂ زمین کے ہر کوہ پر غرور کو ڈبو کر اس کی نخوت کا نام و نشان تک مٹا دیں اور اگر ایک طرف ساٰوی الی جبل یعصمنی من الماء کی صدا حضرت نوحؑ کے کانوں میں آتی رہے تو اس کے ساتھ ہی حال بینھما الموج کا جملہ بتا دے کہ پہاڑوں کی بلندیاں الٰہی رفعت کے سامنے سرنگوں ہیں اور پانی کی نرم لہریں پتھروں کی نخوت کا یوں سر کچل دیتی ہیں۔ یہ اس کی مشیت تھی کہ کہیں یہی پانی پہاڑوں کو ڈبوتا رہا اور کہیں سفینہ نوحؑ کو ابھارتا رہا یہ

بتانے کے لیۓ کہ پانی کا ہر قطرہ اور خاک کا ہر ذرّہ فلک کا ہر ستارہ اور سمندروں اور طوفانوں کا ہر دھارا اس کے اشارے کے سامنے بے بس ہے اور اس کے حکم کے سامنے کائنات عالم کی ہر شئے دم بخود ہے۔ وہی قادر علی الاطلاق ہی تو ہے جس نے ایک مشت خاک سے لاتعداد انسان خلق کردیئے۔ ایک ہی پانی قطرے سے لاکھوں رنگ کے پھول کھلا دیئے اسی کی قدرت ہے جس نے کبھی مثل سے مثل کو بنایا اور کبھی ضد سے ضد کو خلق کردیا کبھی برق کے شعلوں سے موسلا دھار پانی کی چادریں گرادیں اور "مرخ و عفار" درختوں کی ہری بھری شاخوں کی رگڑ سے آگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ خلق کرنا اور بنانا تو بڑی چیز ہے اس کی صنعت کے ظاہر ترین آثار کو سمجھنا بھی عقلائے زمانہ کی طاقت سے باہر ہے۔ اس نے لاکھوں ستارے پیدا کردیئے جن میں کچھ تو ثوابت ہیں اور کچھ سیارے ہیں جیسے چاند، سورج، مریخ، عطارد وغیرہ ان ستاروں اور ان سیاروں کی وسعت اور وزن کو سوائے خدا کے کوئی دوسرا نہیں جانتا کیا کسی انسان میں یہ قدرت ہے کہ وہ ان کی حرکت کو روک دے یا ان کی رفتار کو آگے پیچھے کردے یا ہے کوئی ایسا آلہ جو ان کا وزن بتادے وہ کون سی طاقت و قوت ہے جو ان کو چلا بھی رہی ہے اور ان کے وزن کو بھی سنبھالے ہوئے ہے یہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں بلکہ اس لاشریک خدا کی قدرت کاملہ ہے جس نے ان سب کو خلق کردیا۔ (صلوٰۃ)

یہی وہ صنعتیں اور کمالات الٰہیہ ہیں جن کا مشاہدہ کرکے ہر صاحب عقل سلیم پکار اٹھتا ہے ربنا ما خلقت هذا باطلاً (پروردگار بیشک

تونے ان چیزوں کو بیکار نہیں بنایا) کون ہے اور کس کی مجال ہے کہ وہ ان صناعیوں کی مدح کر سکے اور کس زبان میں طاقت ہے کہ خالق کائنات کے حسن کی تخلیق کی ثنا کر سکے تو پھر وہ خود ہی اپنی ثنا فرماتا ہے۔ کبھی تبارک اللہ احسن الخالقین کہہ کر (مبارک ہے وہ ذات جو تمام خلق کرنے والوں سے افضل و بہتر ہے) اور کبھی اپنی صناعیوں کی قسم کھا کر وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (سورج کی قسم اور اس کے نور کی قسم اور چاندنی کی قسم جب وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (اور دن کی قسم جب وہ آفتاب کو آشکار کر دے یا ظلمتوں کو دور کر دے اور شب کی قسم جب وہ سورج کے نور کو چھپا دے یا زمین کو گھیرے اور آسمان کی قسم جس نے اسے خلق کیا اس کی قسم۔ پھر فرماتا ہے اور زمین کی قسم اور جس ذات نے اس کو بچھا دیا ہے اس کی قسم) یہ قسمیں ہیں یا صنعت الٰہی کی ثنا ہے جو لب قدرت سے ہو رہی ہے۔ اس نے سورج اور چاند کی بھی قسم کھائی اور حد ہے کہ ستارے کی بھی قسم کھائی مگر اس کی روشنی کی نہیں، اس کی رفتار کی نہیں، اس کی خوبصورتی کی نہیں بلکہ صرف اس کے کسی گھری طرف جھکتے ہوئے انداز کی۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ستارے کی قسم جب وہ گرا اور اس قسم کے بعد اپنے حبیب کی گواہی بھی دی مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى تمہارا ساتھی یعنی خاتم المرسلینؐ نہ تو کبھی گمراہ ہوا اور نہ بہکا۔

بے شک انسان کی کیا طاقت اور کیا مجال ہے کہ وہ نظام قدرت کو بدل

سکے اور اللہ کی قائم کی ہوئی ترتیب میں خلل ڈال سکے لاتبدیل لخلق اللہ (خدا کی خلقت میں تبدیلی ممکن ہی نہیں)، ہاں اگر کوئی بدل سکتا ہے اس نظام کو تو وہ خود یا وہ بدل سکتا ہے جسے وہ کائنات پر تصرف کرنے کا اختیار عطا فرمادے موسیٰؑ کا عصا اژدہا بنا تو خدا ہی کے اذن سے ابراہیمؑ نے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے پرندوں میں دوبارہ زندگی دی تو اسی کی مشیت سے عیسیٰؑ نے اندھوں کو بینائی دی اور مردوں میں حیات واپس کی تو خدا ہی کے اذن و مشیت سے محمدؐ کے اشارے نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تو اسی کے اشارے سے، علیؑ نے ڈوبے ہوئے سورج کی طنابیں کھینچ لیں تو اسی کی قوت سے اور نبیؐ کے ہاتھوں پہ آکے سنگریزے بولنے لگے تو اسی کے دیے ہوئے اقتدار سے اور ستارہ سیدہؑ عالم کے گھر میں اتر آیا تو اسی کی مشیت سے

بہت سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا ستارہ سیدہ عالم کے گھر میں کیسے اتر آیا لیکن اگر پورا قرآن ایک نقطہ میں آسکتا ہے تو ستارہ بھی ایک گھر میں سما سکتا ہے یا اگر ارشاد امیرالمومنینؑ کے مطابق انسان کے چھوٹے سے جسم میں عالم اکبر و آفاق و انفس کی سمائی ممکن ہے تو ستارہ بھی سیدہ کے گھر میں سما سکتا ہے۔ گھر زہراؑ کا تھا اور خود ستارہ زہرہ تھا جسے ابراہیمؑ خلیل نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ ھذا ربی یہ میرا پروردگار ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ غروب ہونیوالا خدا نہیں ہو سکتا مجھے نہیں معلوم کہ خلیل نے اور ستاروں کو چھوڑ کر زہرہ ہی کو ھذا ربی کہنے کے لئے کیوں منتخب کیا تھا۔ شاید اسلئے کہ مجازی خدائی بھی اگر ملے کسی ستارے کو تو اسی کو ملے جو سیدۂ عالم کی چوکھٹ کی جبہ سائی کرے (صلوٰۃ)، یہ گھر تھا ہی وہ جہاں ہمیشہ آیاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہا۔ فلک سے مائدہ اترا، سدرہ سے ملک اترے، لوح محفوظ سے قرآن کی آیتیں اتریں، عرش سے

وحی اتری، جنت سے رضوان اترا اور بزم انجم سے ستارہ اترا اور یہ سب فضیلتیں دیکھ کے دشمنوں اور حاسدوں کے چہرے اترے۔ یہ گھر وہ تھا جس کی رفعت کی گواہی قرآن نے دی، جس کی عظمت رسول نے سلام کرکے بتائی۔ یہ در وہ تھا جس پر جھکنے میں فرشتے اپنی عزت سمجھتے تھے۔ جس پر سائل کی صورت میں جانا ملائکہ اپنی رفعت جانتے تھے۔ کون بتا سکتا ہے کہ اس گھر کی اور اس گھر کی رہنے والی سیدۂ زنان عالم کی منزلت کیا تھی۔ یہ تو قرآن سے پوچھئے یا خود رسول سے دریافت کیجئے تو وہ بیٹی کی تعظیم کرکے بتائیں گے کہ منزلت فاطمہؑ کیا تھی۔ مسافر عرش جس کی تعظیم کے لئے اٹھے اس کی عزت کو کیوں کر بیان کروں۔ بس حد ہے کہ رسول نے ایک جملہ میں فاطمہ زہراؑ کی عزت ظاہر کر دی یہ فرما کر لولا علیٌ لما کان لفاطمه کُفُوٌ (اگر علی نہ ہوتے تو عالم میں فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا)، اور اگر علیؑ کے علاوہ سیدۂ عالمؑ کا کوئی ہمسر ہوتا تو یقیناً وہ بھی میدان مباہلہ میں ضرور آتا لیکن اس میدان میں جہاں اسلام کے وقار کا سوال تھا اور جہاں حق و باطل کا فیصلہ کرنا تھا، عالمین کی نمائندگی جن ذوات مقدسہ نے کی ان میں صنف نساء کی ایک ہی فرد تھی اور وہ سیدہ عالم تھیں اب کوئی یہ نہ کہے کہ قرآن نے نساءنا ونساءکم فرمایا ہے اور لفظ "نساء" جمع کے لئے آتی ہے واحد کے لئے نہیں بے شک "نساء" جمع کے لئے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ایک فرد کی عظمت پوری قوم کے برابر ہوتی ہے تو پھر اس فرد کو ابراہیم خلیلؑ کی طرح فرد نہیں بلکہ امت کہا جاتا ہے۔ (صلوٰۃ)

فضیلت سیدہ عالم پر اتنی حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں جن کا شمار

آسان نہیں ہے ان میں سے اس موقع پر تبرکاً چند روایات بیان کرتا ہوں۔
تاریخ بغداد میں ہے عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک روز فرمایا یا فاطمہ ابشری فان اللہ تعالیٰ اصطفاک علی نساء العالمین (اے فاطمہ تم کو بشارت ہو کہ خدا نے تمھیں عالمین کی تمام عورتوں پر فضیلت عطا کی ہے اور ان سب میں تم کو باعتبار فضیلت منتخب فرمایا ہے) اسی طرح دیلمیؒ نے فردوس میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے فضائل فاطمہ زہراؑ میں ارشاد فرمایا۔ فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ فاطمہ زہراؑ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں) کیا کہنا منزل سیدہؑ عالم کا باپ ملا تو سید المرسلین، شوہر ملا تو سید الوصیین، بیٹے پائے تو سید الشباب اہل جنۃ اور خود سیدہ زنان عالمین۔
یہ گھر وہ تھا جس کی چار دیواری سیادت و سرداری ہی سے گھری ہوئی تھی۔
یہاں تک کہ جو سلسلہ اولاد فاطمہؑ میں شامل ہو گیا، ہمیشہ کے لئے سیادت و سرداری اس کے نام کا جزو بن گئی اور اب تو قیامت تک اس نسل کے سایہ میں سیادت نے خیمے ڈال دیئے ہیں۔ ناواقف لوگوں نے پیغمبرؐ کی اور بھی بیٹیاں ثابت کی ہیں لیکن یہ سب قطعاً غلط ہے۔ آپ کی صرف ایک ہی بیٹی تھیں اور وہ جناب فاطمہ زہراؑ ہی تھیں۔ جن دوسری بیٹیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ رسولؐ کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہؑ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں جن کی شادیاں پہلے کفار کے ساتھ ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ اگر وہ رسولؐ کی بیٹیاں ہوتیں تو کافروں کے ساتھ ان کی شادی ہونا ممکن نہ تھی۔ اور پھر عجیب بات ہے کہ اس قدر شد ومد سے ان کو رسول کی بیٹیاں ثابت کیا جاتا ہے مگر تذکرہ اولاد نبیؐ میں ان بیٹیوں

کی کسی فضیلت کا ارباب سیر و تاریخ نے نہیں کیا اور اس کے برخلاف حضرت فاطمہ زہراؑ کی فضیلت میں مستقل ابواب لکھے گئے ہیں اور ہر سیرت کی کتاب ذکر فضائل سیدۂ عالم سے بھری ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ کی حقیقی بیٹی سوائے سیدۂ عالم کے کوئی دوسری نہ تھی۔

عظمت سیدۂ عالم کی انتہا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان فرماتے ہیں۔ ان اللہ لیغضب لغضب فاطمۃ و یرضی لرضاھا (فاطمہؑ کا غضب خدا کا غضب ہے اور ان کی رضا خدا کی رضا ہے) مشہور ہے یہ روایت جسے صاحب "مناقب" نے بھی لکھا ہے:۔ اذا کان یوم القیٰمۃ وقف الخلائق بین یدی اللہ تعالیٰ نادی منادٍ من وراء الحجاب ایھا الناس غضوا ابصارکم و نکسوا رؤسکم فان فاطمۃ بنت محمدؐ یجوز علی الصراط (جب قیامت کا دن آئیگا اور تمام مخلوق بارگاہ خدا میں حاضر ہوگی اس وقت ایک منادی آواز دے گا ـــــ اے انسانو اپنی آنکھیں بند کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو اس لئے کہ محمدؐ عربی کی پارۂ جگر فاطمہؑ پل صراط سے گزر رہی ہیں۔ ۔ ۔ ات سرنگوں ہوگی نگاہیں بند ہوں گی کس کی مجال ہوگی کہ وہ آواز قدرت کے بعد نگاہ اٹھانے کی جرأت کر سکے اور سیدۂ عالم اس طرح حوروں کے جھرمٹ میں صراط سے گزریں گی کہ خود ناقۂ نور پر سوار ہوگی، سرِ اقدس پہ تاج نور ہوگا جو ستارے کی طرح چمک رہا ہوگا اور آپ کی سواری کے یمین و یسار میں ہزارہا فرشتے ہونگے اور روح الامینؑ ناقہ کی مہار لیے ہوں گے اور جس طرح شب معراج باپ کی

سواری کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ گئے تھے اسی طرح میدانِ حشر میں بیٹی کی سواری کے ہمراہ ہوں گے پھر یہ سواری فاطمہ زہراؑ کی آگے بڑھ کے عرش کے سامنے پہنچے گی اس وقت سیدۂ عالم خدا کی بارگاہ میں عرض کریں گی۔ الٰھی وسیدی اُحکم بینی و بین من ظلمنی اُحکم بینی و بین من قتل ولدی دائے پالنے والے! اے میرے خدا! اے میرے سید وآقا اب تو میرے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے جنہوں نے مجھ پر ظلم وستم کیا اور میرے فرزند حسینؑ کو قتل کر ڈالا۔ فاذا النداء من قبل اللہ یا حبیبتی و سیدی ذریتی وشیعتی وشیعۃ ذریتی دفعۃً خدا کے حکم سے ندا بلند ہو گی۔ اے فاطمہؑ اے میرے حبیب محمدؐ کی لختِ جگر جو کچھ تو مجھ سے طلب کرے گی وہ سب تجھے عطا کیا جائے گا یہ ندائے غیب سن کر سیدہ عالم عرض کریں گی ـــ پروردگارا! میں اپنی ذریت اور اپنے اور اپنی ذریت کے شیعوں کی شفاعت چاہتی ہوں ـــ آواز آئے گی ـــ این ذریۃ فاطمۃ وشیعتھا و محبی ذریتھا۔ دکھاں ہے ذریت فاطمہؑ اور کہاں ہیں اس کے شیعہ اور اس کی ذریت کے چاہنے والے۔ یہ سن کر وہاں کے لوگ کہیں گے قد احاط بھم ملائکۃ الرحمۃ دان سب کو تو ملائکہ رحمت نے اپنے حصار میں لے لیا ہے) اس وقت سیدہ عالم ان کے قریب تشریف لے جائیں گی حتیٰ تدخلھم الجنۃ اور ان سب کو جنت میں داخل کریں گے۔ مگر عزادارانِ سیدہؑ! روایت میں بس اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے دھی اخذۃ بقمیص الحسین ملطخٍ بالدّم وقد تعلّقت بقائم العرش تقول ربّ احکم بینی دبین

قاتل ولدی الحسینؑ (اس وقت سیدۂ عالم کے ہاتھ میں حسینؑ بن علیؑ کا خون آلودہ پیراہن بھی ہوگا اور قائمۂ عرش سے لپٹ کر معصومۂ عالم فریاد کریں گی کہ اے میرے پالنے والے! میرے فرزند حسینؑ کے قاتل اور میرے درمیان اب فیصلہ فرما، یہ سن کر قیامت میں ایک اور قیامت پیدا ہوگی اور تمام عالمین فریادِ سیدہ سے کانپنے لگیں گے۔

جس طرح رضائے فاطمہؑ رضائے خدا تھی اسی طرح محمد عربی بھی وہی چاہتے تھے جو فاطمہؑ کی مرضی ہوتی تھی اور دنیا میں اگر آپ صنف نساء میں کسی کو سب سے زیادہ چاہتے تھے تو وہ سیدۂ عالم ہی تھیں۔

عبداللہ بن عطا سے روایت ہے۔ پیغمبرؐ سے کسی نے دریافت کیا اُیّ النساء احبُّ الیك یارسول اللہ (عورتوں میں سب سے زیادہ آپ کسے عزیز رکھتے ہیں آپ نے جواب دیا فاطمہؑ کو پھر پوچھنے والے نے دریافت کیا اچھا مردوں میں کسے سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں فرمایا زوجھا (فاطمہ کے شوہر علی مرتضیٰ کو) ۔

جابر بن عبداللہ انصاری کی یہ روایت تو سب ہی جانتے ہیں جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے فاطمۃُ بضعۃ منی من آذاھا فقد اذانی و من آذانی فقد اذی اللہ (فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے خدا کو تکلیف دی۔ اس سے مشابہ فریقین کی کتابوں میں سیکڑوں روایتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عالم کو پیغمبرؐ کس قدر چاہتے تھے اور اسی لئے

آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی آپ سفر پر جاتے تھے تو سب کے آخر میں اپنی بیٹی سے رخصت ہوا کرتے تھے اور واپسی پر سب سے پہلے فاطمہ زہرا سے ملنے آتے تھے اور جب تک کلیجے سے بیٹی کو نہیں لگا لیتے تھے دل میں ٹھنڈک نہیں پڑتی تھی۔

ان روایتوں کے علاوہ ایک حدیث یہ بھی ملتی ہے اور یہ عائشہ سے منقول ہے اور صاحب "مناقب" نے اسے نقل کیا ہے —— وہ کہتی ہیں ان فاطمة اذا دخلت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام لھا من مجلسہ و قبل راسھا و اجلسھا مجلسہ رجب سیدہ عالمؑ رسول کی خدمت میں آتی تھیں تو پیغمبرؐ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹی کے سر کو بوسہ دیتے تھے اور جس جگہ پر خود تشریف فرما ہوتے تھے وہاں ہٹ کر اس جگہ پر بیٹی کو بٹھاتے تھے) اب دنیا خود ہی اندازہ کر سکتی ہے کہ یہ فعل کسی خاطی یا کسی عام انسان کا نہ تھا بلکہ اس کا عمل اور طریقہ تھا جس کی یہ صدا تھی کہ ان اتبع الا ما یوحیٰ الیٰ (میں تو صرف وحی کا تابع ہوں) لہٰذا قرآن مجید کی نص صریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ مشیت باریؔ کے مطابق تھا تو پھر جس کی خاتم المرسلینؐ اس طرح تعظیم فرمائیں خود اس کی عصمت میں کیسے شبہہ ہو سکتا ہے۔ (صلوٰۃ)

لیکن اتنی عظمت کے باوجود ساری عمر چکی پیس کے گزار دی۔ ہاتھوں سے خون بہنے لگتا تھا اس قدر آسیہ گردانی کرتی تھیں۔ فضہ کنیز بھی خدمت کے لئے موجود تھی مگر کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ کنیز سے مسلسل کام لیں اگر ایک روز کنیز گھر

کا کام کرتی تھی تو دوسرے روز بنی زادی فرائض خانہ داری کی انجام دہی کرتی تھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ بعد وفات رسالتمآبؐ آپ کتنے روز زندہ رہیں۔ کم سے کم چالیس روز کی مدت بیان کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ماہ کی ان دو حدوں کے درمیان بہت سے اقوال ملتے ہیں لیکن معتبر ترین قول یہ ہے کہ صرف ۹۵ روز زندہ رہیں۔ جب تک زندہ رہیں تاریخیں بتاتی ہیں کہ سیدہ عالمؑ کبھی نہیں ہنسیں اور ہمیشہ روتی رہیں اور دردسر کی وجہ سے پیشانی مبارک پر کپڑا باندھے رہتیں۔ دم بدم غش آتا تھا۔ حد سے زیادہ نحیف وزار ہو گئی تھیں۔ اکثر آپ اپنے دونوں بچوں حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کرتی تھیں۔ کہاں ہیں تمہارے وہ نانا جو تمہاری عزت کرتے تھے۔ تم کو گودی میں اٹھاتے تھے اور سب سے زیادہ تم پر شفقت کرتے تھے۔ اب میں کبھی ان کو اس دروازے سے آتے نہ دیکھوں گی۔

جناب رسالت مآبؐ کے انتقال کے بعد حضرت بلالؓ نے اس کا ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کے لئے وہ اذان نہ کہیں گے۔ ایک دن جناب فاطمہ زہراؑ نے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد کے موذن کی اذان سنیں جب اس کی خبر بلالؓ کو ملی کہ سیدہؑ عالم کو ان کی اذان سننے کا اشتیاق ہے تو بہت خوش ہوئے نماز کا وقت آیا تو مسجد میں گئے اور اذان دینا شروع کر دی۔ ادھر بلالؓ نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی اُدھر سیدہ عالم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور باپ کا زمانہ یاد آنے لگا۔ یہاں تک کہ بلالؓ نے آواز بلند کی اَشْهَدُ اَنَّ

محمداً رسول اللہ بس یہ سننا تھا کہ نبی زادی نے ایک نعرہ مارا اور غش کھا کے منہ کے بھل زمین پر گر پڑیں لوگ دوڑ ہوئے مسجد میں گئے اور بلالؓ سے کہا اے موذن رسولؐ بس اذان کو روک دو۔ سیدہؑ نے دنیا سے رحلت کی۔ بلالؓ گھبرا کے چپ ہو گئے۔ وہاں سیدہؑ کو غش سے افاقہ ہوا تو فرمایا بلالؓ سے کہو اذان کو پورا کریں لیکن بلالؓ نے اذان کو پورا نہ کیا اور عرض کیا کہ اے سردار زنان عالم مجھے اب خوف ہے کہ جب آپ میری آواز سنیں گی تو آپ کو بیحد رنج ہوگا اس لئے مجھے اس حکم کی اطاعت سے معاف فرما دیجئے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ جس قمیض میں میں نے رسول اللہ کو غسل دیا تھا اس کو دیکھنے کا سیدہؑ اکثر اشتیاق ظاہر کرتی تھیں لیکن جب میں نے ان کو وہ قمیض دکھائی اور سیدہؑ نے ان کو سونگھا تو فوراً چیخ مار کر بیہوش ہو گئیں۔ امیر المومنینؑ نے سیدۂ عالم کے رونے کے لئے خاص طور پر جنت البقیع میں ایک مکان بنوا دیا تھا جس کا نام بیت الاحزان رکھا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ دن بھر اس بیت الاحزان میں جا کر باپ پر رویا کرتی تھیں۔ عزادارو! یہی بیت الاحزان تو تھا جس میں بعد شہادت حسینؑ ام البنین مادر قمر بنی ہاشم ابوالفضل عباسؑ بھی جا کر رویا کرتی تھیں اور عباسؑ بن علیؑ کے یتیم فرزند عبید اللہ کو گود میں لے کر اس طرح بین کرتی تھیں کہ سننے والوں کے کلیجے شق ہو جاتے تھے۔

عزادارو! سیدۂ عالم نے فقط باپ کی قمیض دیکھی تھی تو بیہوش ہو گئیں لیکن مجھے نہیں معلوم سکینہؑ پر کیا گزری ہو گی جب باپ کا کٹا ہوا سر نیزہ پہ

نظر آیا ہوگا اور جس سینے پر سویا کرتی تھیں۔ اس کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ سیدۂ عالم نے باپ کے مؤذن بلالؓ کی فقط آواز سن لی تھی تو غش آگیا اور ہوش و حواس جاتے رہے مگر ہائے ثانی زہراؑ زینبؑ کی مصیبت! زمین کربلا میں زلزلے آرہے تھے خیموں میں آگ لگی ہے چادریں سروں سے لوٹی جارہی ہیں، بھائی تین دن کا بھوکا و پیاسا تہ خنجر ہے اور بہن در خیمہ پر کھڑی ہوئی فریاد کر رہی ہے اور ماں جائے کو قاتل سے نہیں بچا سکتی۔

سیدۂ عالم کی وفات مشہور روایت کی بناپر تیسری جمادی الثانیہ ۱۱ھ کو ہوئی تھی لیکن بعض مورخین نے اور بھی تاریخیں لکھی ہیں۔ وقت وفات آپ نے جو وصیت کی تھی وہ یہ تھی۔ کہ اے علی ابن ابی طالبؑ آپ ہی میرے فرائض غسل و کفن کو انجام دیجئے گا اور میرے اوپر نماز پڑھیئے گا اور مجھے رات کے وقت دفن کیجئے گا تاکہ کسی نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے اور کسی کو میری موت کی اطلاع بھی نہ دیجئے گا۔ پھر اپنی اولاد کی طرف خطاب فرمایا کہ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔

جب اسماء بنت عمیس نے ایسے صندوق کی شکل بنا کر سیدۂ عالم کو دکھائی جس میں میت کے پردے کا بڑا اہتمام تھا تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور ہنسنے لگیں۔ رسولؐ کی وفات کے بعد مرتے دم تک آپ سوائے اس موقع کے کبھی نہیں ہنسیں اور ہنسیں تو اس صندوق کو دیکھ کر جس میں آپ کی میت اٹھائی جانے والی تھی۔ علیؑ نے وصیت سیدہؑ پر عمل کیا۔ میت کو شب میں اٹھایا غسل و کفن کا اہتمام کیا رات ہی کو بقیع میں دفن کر دیا مگر ایک قبر کے بجائے

چالیس قبریں ایک ہی طرح کی بنائیں تاکہ کوئی شخص قبر سیدہ کو پہچان کر کھود نہ سکے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بنتِ رسولؐ کا انتقال ہو گیا اور ہم نہ جنازے میں شرکت کر سکے اور نہ نماز و دفن میں تو طے کیا گیا کہ قبر فاطمہؑ کو کھود کر لاش نکالیں گے اور اس پہ نماز پڑھیں گے۔ شیر خدا کو خبر ہوئی کہ فاطمہؑ کی قبر کھودی جا رہی ہے یہ سنتے ہی ذوالفقار کو نیام سے باہر نکالا اور بقیع میں آکر بیٹھ گئے علیؑ کی آنکھوں میں موت اپنے قہر و جبروت کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ رگ گردن غصّے سے پھولی ہوئی تھی اور وہ زرد عبا اوڑھے ہوئے تھے جو آپ سے ہمیشہ گھمسان کی لڑائیوں میں اوڑھا کرتے تھے۔ علیؑ کا غصہ دیکھ کر مدینہ میں ہر شخص خائف تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ قبر فاطمہؑ کو ہاتھ لگا سکے۔ کھودنا کیسا اور لاش کو نکالنا کیسا علیؑ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنا حق تو اس لیے چھوڑ دیا تھا اور تلوار نہیں اٹھائی کہ اس میں مصلحت یہی تھی کہ صبر کروں لیکن قادر مطلق کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے اگر کسی نے قبر فاطمہؑ کی طرف ذرا رُخ بھی کیا تو اس زمین کو میں تم سب کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ فاتحِ بدر و حنین اور شاہ خیبر گیر کی تلوار کو بے نیام دیکھ کر کس ماں کے فرزند کی یہ جرأت تھی کہ قبر کو چھو سکتا۔ علیؑ موجود تھے تو سیدؑ کی قبر بچ گئی کھدنے سے مگر یا علیؑ آکے دیکھئے اب اسی مظلومہ کی قبر مسمار ہو چکی ہے اور آپ کے شیعہ اپنی شاہزادی کی قبر مطہر پہ فاتحہ پڑھنے کے لیے بھی ترستے ہیں۔ عزادارو!

جس ماں کا جنازہ اتنے اہتمام سے پردے کے ساتھ رات کی تاریکی میں اٹھایا گیا ہو۔ ہائے اسی کی بیٹیاں زینب و ام کلثومؑ رسن بستہ دن کی روشنی میں بے مقنع

وردا کوفہ وشام کے بازاروں میں پھرائی گئیں اور تازیانوں پہ تازیانے کھاتی ہوئی صحراؤں میں وادیوں میں اور ناہموار راستوں میں برہنہ پشت اونٹوں پر اشقیائے امت ان کو لے گئے اور ابن زیادؔ اور یزیدؔ کے درباروں میں ان کی توہین کی گئی۔

عزادارانِ حسینؑ اب آپ اپنے بارہویں تاجدار امامت کا سلام ان مخدرات عصمت وطہارت پر سنیئے اور آپ بھی اپنی شاہزادیوں پر امامؑ وقت کے اس سلام میں شرکت کا شرف حاصل کیجئے۔

عزادارو! یہ تمہارے امام زمانہ کا سلام ہے ان لاوارث سیدانیوں پر جن کے سروں سے چادریں اتاری گئیں، ان ماؤں پر جن کی اولادیں ان کے سامنے تہ تیغ کی گئیں، ان بہنوں پر جن کے بھائی ان کی نگاہوں کے سامنے ذبح کئے گئے اور ان بیٹیوں پر جن کے باپ ان کی آنکھوں کے سامنے خون میں لوٹتے رہے ان کا کچھ بس نہ چلا۔ امامؑ فرماتے ہیں۔

السلام علی النسوۃ البارزات (میرا سلام ہو ان لاوارث سیدانیوں پر جن کے سروں سے کربلا میں چادریں اتاری گئیں)

یساقون کالاماء المسبیات فی البراری و الفلوات (ان ستم رسیدوں کو، کنیزوں کی طرح صحراؤں میں پھرایا گیا، ان کے چہرے دھوپ کی شدت میں جلے جارہے تھے۔)

اَیدِیْهِمْ مَغْلُوْلَةٌ اِلَی الْاَعْنَاقِ یُطَافُ بِهِمْ فِی الْاَسْوَاقِ (ہائے افسوس! ان بے گناہوں کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے تھے

اور انھیں بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا۔)

پھر فرماتے ہیں:۔ فلما رأین جوادك مخزيا و نظرن سرجك عليه ملويا برزن من الخدور ناشرات الشعور۔

(اے جد مظلوم حسینؑ جب آپ کے اہلِ حرم کی اس پر نظر پڑی کہ آپ کی سواری کا گھوڑا بغیر سوار کے آرہا ہے اور اس کی زین کو ایک طرف جھکا ہوا دیکھا تو بیبیاں بال کھولے ہوئے خیموں سے باہر نکل آئیں)

على الخدود لاطمات بالوجوه سافرات و بالعويل داعيات و بعد العزمة للآت و الى مصرعك مبادرات

(ہائے افسوس! سیدانیاں اپنے رخساروں پر طمانچے مارتی ہوئی اور بے مقنع درد و فریاد کرتی ہوئی نکلیں جنھیں کنیزوں کی طرح ذلیل کیا گیا تھا اور اے جد مظلوم حسینؑ آپ کی لاش کی طرف دوڑتی ہوئی گئیں اور بیتاب ہو کر آپ کو پکار رہی تھیں۔ الا لعنة الله على القوم الظالمين و سيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔

استدعا

اس مسودہ مجلس عزائے حضرت سیدۂ عالم کو جو حضرات پڑھیں وہ سرکارِ مرحوم کی روح پرفتوح کو اس کا ثواب ہدیہ کریں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس پنجم

شامِ غریباں

از جناب علامہ رشید ترابی مدظلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انہب الاعنہم الرجس وطہرھم تطہیرا امّا بعد فقد قال اللہ تبارک و تعالٰی فی محکم کتاب الحکیم اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَ لَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا وَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ۔

ارشاد رب العزت ہے۔ کیا خدا کے دین کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو درا حالانکہ اسی کو تسلیم کرتی ہے ہر شئے آسمانوں اور زمینوں میں وہ اطاعت سے ہو یا کراہت سے اور سب کو اسی کی بارگاہ کی طرف رجوع ہونا ہے۔ بجز انسان کے ہر شئے کے لئے تسلیم امرالٰہی مقدر ہے۔ ہر شئے اپنے فریضے کو ادا کئے جا رہی ہے اور یہی اس کی عبادت ہے۔ ہر شئے اپنی زبان استعداد سے

اس کی تسبیح میں مصروف ہے اور سراسر وجود کائنات اس کے امر اور اس کی مرضی کا مظہر ہے لیکن جہاں سے حیات شعور شروع ہوتی ہے، جہاں سے عقل و ادراک کا آغاز ہوتا ہے۔ وہاں انسان اپنی مرضی کو آگاہ رکھنا چاہتا ہے یہ جان کر...... اور یہ معلوم رکھتے ہوئے حکیم علی الاطلاق جس نے انسان کو انسان ہی کی بھلائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسانی حیات کے ہر گوشے کو اپنی مرضی کے تابع رکھنا چاہتا ہے۔ پھر اس انسان نے ہر دور میں شرع انبیاء کی مخالفت کی فقط اس لئے کہ انبیاء انسانوں کی ہوا و ہوس کے تابع نہ تھے۔ تاریخ انسان گواہ ہے جب کبھی انبیاء آئے جو مرضی الٰہی کے نمائندہ تھے تو انسانوں نے ان کا مذاق اڑایا۔

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ اور سورۂ بقر میں ارشاد ہوا:۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔ (جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا جو تمہاری ہوا و ہوس پر چل نہ سکا کسی کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو تم نے قتل کر دیا۔)

ذات واجب نوع انسانی میں سے اپنے مصطفٰے بندوں کو چن لیا تھا جو لطف الٰہی کے آئینہ دار ہو کر انسان کو برائی سے باز رکھیں۔ نیکی کے نزدیک کریں حق و باطل کا علم عطا کر کے بندوں کو بارگاہِ رب العزت کی بندگی کے راستوں پر ڈال دے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ الْمُؤْمِنِينَ

عَلٰی مَآ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَا یَشَآءُ ۔ (اللہ کبھی صاحبان ایمان کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جب تک یہ نہ بتلا دیں خبیث کیا ہے اور طیب کیا کیا ہے۔ اور نہ تم کو غیب کا علم عطا کرتا ہے تم اپنی مرضی سے پاک ناپاک کا یقین کر لو بلکہ بندوں میں سے رسل اور رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ مجتبیٰ کر لیتا ہے۔

تاکہ اللہ کی پسند اور ناپسند کو بندوں تک پہنچا دیں بلکہ انسانوں سے پہلی غلطی کی مجتبیٰ اور مصطفٰے بندوں کا قیاس اپنی ذات پر کیا اور اپنی طرح ان کو جان کر اور ان کے حکم میں خدا کے حکم میں فرق پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ سورہ نسآ کی ایک سو پچاسویں آیت گواہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۔

(جنہوں نے اللہ سے کفر کیا اور رسولوں کا انکار کیا وہ ارادہ کرتے ہیں کہ رسولوں میں اور خدا میں فرق ڈال دیں اور کہتے ہیں کہ بعض پر ایمان نہیں لائیں گے اور چاہتے ہیں کہ درمیانی راہ اختیار کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی کافر ہیں)

امر رسول امر خدا ہے اطاعت رسول اطاعت خدا ہے بیعت رسول بیعت خدا ہے مرضی رسول مرضی خدا ہے رسول کی معصیت معصیت خدا ہے رسول کا ناراض ہونا اللہ کا ناراض ہونا ہے جس نے رسول کو ایذا دی اس نے خدا کو ایذا

دی یہ سب قرآن کے احکام ہیں اس لئے اسلام اس قصے میں تسلیم اللہ ہے کہ تسلیم اللہ رسول ہے اگر کوئی رسول کے اس امر کو اس کی مرضی کو اس کے قوانین کو اس کی شریعت کو تسلیم نہیں کرتا تو گویا رب العزت کی عالمینی مرضی کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا ہے۔ مزاجِ مسلم میں اعتدال اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جو احکامِ رسول کا پابند رہے اور اگر عدم اطاعت رسول سے یہ اعتدال بگڑ جائے تو مسلم مجرم ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ سورۂ نون قلم (کیا ہم مسلم اور مجرم دونوں کو ایک کر دیں گے) ذات رسالت نے آیات قرآنی کی تلاوت ہی نہیں کی بلکہ نفوس انسانی کا تزکیہ فرمایا ہے کتاب وحکمت کی تعلیم دی ہے۔ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

(حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ افراد میں عدل رہے۔ اجتماع میں عدل رہے شخصی زندگی میں اعتدال رہے اور اجتماعی زندگی میں ظلم نہ آنے پائے)

ہوا و ہوس انسانی کی مطابقت ظلم ہے۔ اور صریح ظلم ہے لیکن اطاعتوں کے آنے کے باوجود انبیاء بھی قتل ہوتے رہے اور وہ انسان بھی قتل کیے گئے اور جو قیام عدل چاہتے تھے۔ سورۂ آل عمران کی اکیسویں آیت گواہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ٥

جو لوگ آیات الٰہی کی تکذیب اور تکفیر کرتے ہیں اور بغیر حق انبیاء کو قتل کرتے اور انسانوں میں ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل کا حکم دیتے رہے ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دو دنیا و آخرت میں ان کا عمل منبط ہو جائیگا اور ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں رہے گا۔)

سرکار دو عالم ہستی مرتبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ تسلیم مطلق کی راہوں پر انسان آجائے جو اپنے نفس پر بھی ظلم نہ کرے اور نہ بندگان خدا پر ظلم کرے اور نہ دین حق کی تحقیر کر کے بنائے ظلم ڈالے یہی تربیت رسولؐ خاتم نے اپنے نور نظر حسینؑ ابن علیؑ کے لئے کی تھی۔ یہ کہ سلسلہ ہدایت میں جب ان کی ذمہ داریوں کا وقت آئے گا تو محافظ شریعت بن کر نظام عدل کو قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ دین کا مزاج عدل ہے ظلم بے دینی ہے۔ محمدؐ کا نواسہ ۲۸ ر رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے اس علم و آگاہی کے ساتھ نکلتا ہے کہ میں ناناکے دیئے ہوئے قوانین کی حفاظت کرنے کے لئے منتخب کیا جا چکا ہوں اور اس وقت میرا قیام ضروری ہے۔ بہنوں، بچوں، جوانوں اور عزیزوں کو ساتھ لے کر تیسری شعبان کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپ ۸ ر ذی الحجہ کو یہ کہہ کر مکہ سے نکلے کہ کہیں کوئی نادان مکہ میں میرا لہو بہا کر حرمت خانہ کعبہ کو زائل نہ کر دے خطرناک راہوں سے گزرتے ہوئے دوسری محرم کو زمین کربلا پر آئے۔ چوتھی کو خیمے حسینؑ کے دریا سے اٹھا دیئے گئے کوفے سے لشکر پہ لشکر آئے اور حسین ابن علیؑ محصور ہوتے چلے گئے۔ ساتویں سے پانی بند کیا اور نویں کو امام ہر طرف سے گھیر لئے گئے شب عاشور امام نے خطبہ دیا اور فرمایا بیعت فاسق ناممکن ہے جس

کو جانا ہو جائے۔ جس کو میرا ساتھ دینا ہو وہ رہے اس لئے انی للاادی
المرۃ الاسعادۃ و الحیام مع الظالمین الا ہلاو تدایا۔
(اس لئے کہ آج میرے لئے مرجانا سعادت ہے اور ظلم کرنے والوں کیساتھ
زندہ رہنا ذلت بھی اور ندامت بھی۔
حسینؑ کبھی ذلت کی زندگی کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ پھر عاشور سے لشکروں
میں صف آرائی ہوئی ہزاروں سے بہتّر کی لڑائی تاریخ آدم و عالم میں یادگار رہ
گئی۔ بار بار پوچھتے تھے کیا میں نے کوئی شریعت میں تبدیلی کی ہے کیا میں نے
کسی کا لہو بہایا ہے کیا میں نے آئین اسلام بدل دیا ہے۔
ام علی شریعتہ غیر تہا ام علی دما سفکتہا۔
آخر مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ مگر ہوا ہوس کے تابع صرف ملوکیت اور شاہی
کے دمساز و ہمراز تھے ایک ایک ساتھی صبح سے لڑنے کے لئے جاتا شہید ہوتا
حسین اس کی لاش اٹھا کر لاتے۔ حبیب ابن مظاہر گئے۔ مسلم ابن عوسجہ شہید ہوئے
زہیر بن قین مارے گئے۔ عزیزوں کی باری آئی۔ سب سے پہلے ۱۸ برس کے
لال کو بھیجا حسینؑ نے اپنے جوان بیٹے کے کلیجے پر برچھی دیکھی پھر بھتیجے کی لاش
کو پامال سم اسپاں پایا زینبؑ کے جگر کے ٹکڑوں کی شہادت کو دیکھا۔ عباسؑ کو
دریا پر رخصت کیا چھ مہینے کے بچے کو بارگاہِ رب العزت میں پیش کرنے کی عزت
حاصل کی اور چہرے پر علیؑ اصغر کا لہو مل کر ایک ننھی سی قبر کھود ی بچے کو دفن
کیا سب کو خدا حافظ کر کے اب راہِ حق میں سجدۂ آخر کے لئے چلے گئے۔ کربلا
کے میدان میں عصر کا تنگ وقت ہے سر سے لے کر پاؤں تک زخموں سے چور ہو کر

گھوڑے سے گرے زمین پر سجدہ کیا اور آواز دی رضا بقضائہ و تسلیمًا لامرہ و صبرًا علی بلائہ لا معبود سواك یا غیاث مستغثین
میں تیری قضا پر راضی ہوں، میں تیرے امر کے لئے تسلیم ہی کی منزل پر فائز ہوں میں تیرے ہر امتحان میں صبر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور پناہ چاہنے والوں کو پناہ دینے والے)

اور ایسے میں عصر کا تنگ وقت ختم ہوا اور حسینؑ کا سر نوک نیزہ پر آیا خیمے جلے بچیوں نے طمانچے کھائے۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی.... یہی ہے شام غریباں جب بھرا گھر زہراؑ کا اجڑ گیا۔ بچوں کو ان کے عزیزوں کے بزرگ ان کے چچا ان کے پدر گرامی یاد آئے خصوصاً سکینہؑ بی بی، باپ کے سینے پر سونے والی گھر بھر کی آنکھوں کا تارا جس کا کرتہ جلا ہوا تھا جس کے کان زخمی تھے بابا کو پکارتے ہوئے، چچا کو ڈھونڈتے ہوئے مقتل میں آگئیں رات آدھی کے قریب پہنچ رہی تھی شہزادی زینبؑ حیران تھیں جلے ہوئے خیموں میں بچی کو ڈھونڈ چکی تھی پکار رہی تھی بی بی سکینہؑ کہاں ہو اور ڈھونڈتی ہوئی مقتل میں پہنچی۔ سکینہ، سکینہ، سکینہؑ۔ قتل گاہ میں پہنچیں۔ دیکھا بچی باپ کے سینے پر سر رکھے ہوئے ہے۔ آواز دی سکینہ رات ہوگئی گھر چلو بیٹی۔ گھبرا کے کہا پھوپھی اماں میرے بابا اکیلے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس ششم

یا

عظیم قربانیاں

از

ذاکر فاتح فرات مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ تَبَارَکَ فِیۡ کِتَابِہِ الۡکَرِیۡمِ قُلۡ لَّاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی۔

قرآن کریم میں ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ اے رسولؐ آپ فرما دیں کہ میں تبلیغ رسالت کی اجرت اگر کچھ چاہتا ہوں تو وہ صرف یہ ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔

یہ خصوصیت صرف قرآن مجید ہی کی ہے کہ وہ جس طرح پیغمبر کے پاک ہاتھوں پر معجزہ تھا اسی طرح ہمارے گنہ گار ہاتھوں پر بھی معجزہ ہے قرآن کا اعلان آج بھی قرآن کریم میں موجود ہے کہ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا

نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

(اگر تم کو میرے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو کسی سورہ کا جواب پیش کر دو)

مگر قرآن کے کسی سورہ کا جواب تیرہ سو برس میں دنیا پیش نہ کر سکی اسی ملنی کے آئینے میں مستقبل کی تصویر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ عربوں کے درمیان قرآن اترا تھا اور اس دعوے کے ساتھ کہ میرا جواب پیش کر دو۔ تاریخ عرب شاہد ہے کہ پیغمبرؐ کی مخالفت میں صف آرائیاں ہوئیں، قتل و غارت ہوا، مال و اسباب لٹا بچے یتیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہوا۔ قرآن کے کسی ایک سورے کا جواب عرب کے ادبا مل کر بنا لیتے اور چلتے قصہ ختم تھا۔ پیغمبر کی نبوت آپ سے آپ ختم ہو جاتی مگر عربوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ تلوار سے فیصلہ چاہا۔ یہ طرز عمل خود اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ ان کے نزدیک قتل ہو جانا ممکن تھا، مال و اسباب کا لٹوا دینا سہل تھا مگر قرآن کے کسی ایک سورے کا جواب پیش کر دینا ناممکن تھا۔

بہر حال قرآن مجید کا یہ دعویٰ اعجاز آج بھی باقی ہے اور آج تک پوری دنیائے انسانیت مل کر بھی قرآن مجید کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکی۔ کہنے والے یہ تو کہتے رہے اور آج بھی کہہ دیتے ہیں کہ قرآن پیغمبر اسلام کی تصنیف ہے مگر آخر جب ایک انسان ایک سو چودہ سورے تصنیف کر سکتا ہے تو یہ سارے انسان مل کر ویسا ہی ایک اور سورہ .... نہیں بنا ڈالتے

یہ شانِ اعجاز خود اس بات کی گواہ ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ خالق انسان

کا کلام ہے۔

قرآن مجید کے کسی ایک سورہ کا جواب تو کوئی بھی نہ دے سکا۔ ہاں اعتراضات کے لئے ہر ایک تیار ہو گیا۔ تمنا ہے کہ تمہید کے طور پر قرآن مجید پر ہونے والے ایک بہت عام اعتراض پر روشنی ڈالتا چلوں۔

اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب یہ کیا قرآن مجید میں تکرار مضمون بہت ہے ایک ہی واقعہ متعدد بار کیوں بیان کیا گیا ہے بس ایک مرتبہ پر اکتفا کی جاتی۔ یہ بہت عام اعتراض ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا تھا کہ اگر تمام نوعِ انسان مل کر بھی کوشش کرے تو میرے ایک ٹکڑے کا جواب نہیں پیش کر سکتی اور ہوا بھی یہی کہ قرآنِ مجید کے کسی ایک ٹکڑے کا جواب آج تک نہیں پیش کیا جا سکا اور جب سب تھک گئے تو قرآن مجید نے ایک ہی واقعے کو اسلوب و انداز بدل بدل کر متعدد بار پیش کر دیا کہ تم عاجز ہو مگر ہم خود اپنے شاہ کاروں کا جواب پیش کرنے سے عاجز نہیں۔

یہ تو تھا اجمالی جواب اب ذرا تفصیل سے بھی عرض کر دوں۔ آئیے ذرا تجزیہ کریں کہ قرآن مجید نے کن انبیاء کے واقعات کو بہ کثرت بیان کیا ہے مگر اس تجزیے سے پہلے علماء نفسیات کے اس نظریے کو پیش کر دوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی قوم یا گروہ آپ کی بات کو توجہ سے سنے تو پہلے اس قوم کے ہیرو کا تذکرہ چھیڑ دیجئے۔ فطرتی طور پر اس قوم کی توجہ آپ کی طرف ہو جائے گی اور پھر اس لپیٹ میں اپنے مطلب کی بات بھی کہہ جائیے معلوم ہوا کہ کسی قوم کو اپنے پیغام سے متاثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کلام کی ابتدا اس قوم کے ہیرو اور رہنما سے کی جائے۔

اب آئیے دیکھیں کہ قرآن مجید نے کن کن انبیاء کا ذکر بہ کثرت کیا ہے حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت آدمؑ یہ چار پیغمبر ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت ملتا ہے۔ قرآن مجید کے مخاطب اول عرب تھے مگر سرمایہ ہدایت ساری دنیا کے انسانوں کے لئے تھا۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں اکثریت یہودیوں اور عیسائیوں کی تھی اس کے علاوہ لامذہب اور کچھ دوسری اقلیتیں بھی پائی جاتی تھیں۔ شاید اسی لئے قرآن مجید نے نفسیات بشری کا لحاظ رکھا۔ یہودیوں کو متاثر کرنے کے لیے بار بار حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ کیا، عیسائیوں کو متاثر کرنے کے لئے بار بار حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا اور چونکہ عرب بہ حیثیت عرب خواہ لامذہب ہی کیوں نہ ہوں حضرت ابراہیمؑ کو اپنا قومی ہیرو سمجھتے تھے اس بناء پر بار بار حضرت ابراہیم کا تذکرہ کیا گیا۔ قرآن مجید اگر عربوں ہی کے لئے آیا ہوتا تو شاید انہی تین تذکروں کی تکرار پر اکتفا کی جاتی مگر قرآن تو سرمایۂ ہدایت ہر آدمی کے لئے لہذا بار بار حضرت آدم کا ذکر کیا گیا تاکہ دنیا کا ہر انسان پیغام حق کا اثر قبول کرنے پر تیار ہو جائے۔

بہر حال اعجاز نما کتاب کریم میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ہمارے رسولؐ! آپ اپنی تبلیغی کاوشوں کی اجرت اپنی امت سے طلب کر لیجئے اور وہ اجرت صرف یہ ہے کہ مسلمان آپ کی آل سے محبت کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اجر رسالت اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ رسولؐ کی آل سے محبت کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارکان اسلامی بہت ہیں جن کو قرآن مجید بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا تعلق اصول دین سے ہے اور بعض کا فروع دین۔ مگر مجھے کوئی ایک بھی حکم اسلامی ایسا نظر نہیں آتا جس کے بیان کرنے میں قدرت نے

وہ انداز اختیار کیا ہو جو محبت اہلبیت کے سلسلے میں اختیار کیا گیا۔ الوہیت و رسالت کا تذکرہ ہوا تو ارشاد ہوا۔ آمِنو باللہِ۔
اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ نماز کا تذکرہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ اقیموا الصلوٰۃ ہمارا حکم ہے نماز پڑھو۔ روزے کی منزل آئی تو ارشاد ہوا کہ کتب علیکم الصیام تمہارے لیے روزے واجب کر دیئے گئے روزے رکھو۔ زکوٰۃ کی باری آئی تو ارشاد ہوا اٰتوا الزکوٰۃ ہمارا حکم ہے زکوٰۃ دو۔ حج کے لیے حکم دینا ہوا تو فرما دیا واللہ علی الناس حج البیت ہم نے اپنے گھر کا حج واجب کر دیا مسلمانوں میں صاحب استطاعت کو حج کرنا پڑے گا۔ جہاد کو واجب کیا تو فرما دیا کہ جاھدوا فی سبیل اللہ ہمارا امر ہے خدا کی راہ میں جہاد کرو غرض یہ کہ کسی بھی امر کو لیجیئے تو روزانہ یہی نظر آئے گا کہ ہم نے یہ چیز لازم کر دی تمھیں اسے ہی لانا ہوگا۔ مگر جب حب اہلبیتؑ کی منزل آتی ہے تو یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ محبت ہم نے لازم کر دی تمھیں محبت کرنا پڑے گی بلکہ گویا اب مسلمانوں کے دروازے پر رسولؐ کو سائل بنا کر بھیجا جاتا ہے کہ میرے حبیب جائیے اور ان مسلمانوں سے جو آپ کے نام پر اپنی بلکہ اپنی اولاد کی جان نثار کر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں صرف محبت کا سوال کیجیے۔ فرما دیجئے کہ تمہارے مال کی تمنا نہیں، دولت کی آرزو نہیں، اولاد کی قربانیاں نہیں چاہتا میں آیا ہوں اور تمہارے دروازے پر یہ سوال لے کر کہ اگر تمہارے نزدیک میری خیر مقدم کی کچھ بھی اہمیت ہے تو میری اولاد سے محبت کا برتاؤ کرتے رہنا۔ اب دیکھنا ہے کہ غیرت دار مُسلمان رسولؐ کے اس سوال محبت کا جواب کیونکر دیتے ہیں؟

تو آخر یہ انداز کلام کیوں بدلا یہاں کیوں نہ کہا گیا کہ ہم نے محبت اہلبیتؑ لازم کردی تم کو مسلمان بننے کے لئے آلِ رسولؐ سے محبت کرنا پڑے گی۔ بات یہ ہے کہ ایک انسان سے نماز زبردستی پڑھوائی جا سکتی ہے، روزے بہ جبر رکھوائے جا سکتے ہیں۔ زکوٰۃ و خمس کی رقم بہ جبر وصول کی جا سکتی ہے۔ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو زبردستی بھیجا جا سکتا ہے ہر اقرار بہ جبر ہو سکتا ہے اور ہر عمل زبردستی کرایا جا سکتا ہے مگر محبت گردن کے جھکنے کا نام نہیں دل کے جھکنے کا نام ہے۔ گردن زبردستی جھکائی جا سکتی ہے دل کو زبردستی نہیں جھکایا جا سکتا۔ لہٰذا جب محبت اہلبیت کی منزل آئی تو یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے محبت واجب کی بلکہ رسولؐ سے ارشاد کر دیا گیا کہ آپ محبت اہلبیت کو اجر رسالت بتا کر مسلمانوں سے مانگ لیجئے۔

بہر حال آیۂ مودت نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ محبت آلِ رسولؐ اجر رسالت کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا تعلیمات رسالت پر عمل کرنے کا حق صرف اسی کو ہے جو اجر رسالت ادا کر دے اور دامن اہلبیت سے وابستہ ہو جائے۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ آخر آلِ رسولؐ کی محبت فریضہ قرار کیوں پائی جزو ایمان کیوں بنائی گئی تو اس کا سامنے کا جواب یہ ہے کہ محبت اہلبیت اس لئے واجب نہیں کی گئی کہ رسالتمآب اپنے رشتہ داروں کی محبت کو محض رشتے کی بنا پر لازم قرار دے رہے تھے بلکہ درحقیقت یہ امت کی محبت تھی جو آلِ رسولؐ کی محبت کو امت پر واجب قرار دے دیا۔ اور یہ اس بنا پر کہ انسان اسی کے لباس، چال ڈھال وضع قطع رفتار و گفتار کی نقل کی کوشش کرتا ہے جو اس کا محبوب ہو۔ اگر کسی فرد کو کوئی فرد محبوب ہوتی ہے تو اس کے پسندیدہ افعال اختیار کرنے کی کوشش

کرتا ہے اور اگر کسی قوم کو کوئی گروہ محبوب ہوتا ہے تو زندگی کے ہر شعبے میں
اس گروہ ہی کے کردار سے ملتا جلتا کردار اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے
رسالتمآب اس نفسیاتی اصول سے بخوبی واقف تھے لہٰذا آپ نے چاہا کہ اپنے
بعد اپنے ہی ایسے معصوم افراد کو اُمّت کا محبوب بناتا جاؤں تاکہ مسلمان آلِ
رسولؐ ہی کے نقشِ قدم پر چل کر دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرسکیں۔

قرآنِ کریم کی آیات نے محبت اہلبیتؑ کی منزل بتائی۔ رسولؐ نے اپنی
آل کے مرتبے سے دنیا کو روشناس کرایا۔ حدیثیں سُنا کر بھی اور اپنے عمل سے
بھی۔ پھر کردار اہلبیتؑ میں کشش تھی مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسولؐ کی
آنکھ بند ہوتے ہی اس سازش پر عمل شروع ہو گیا کہ آلِ رسولؐ کے در از دلیا
سے دُنیا کو منحرف کر دیا جائے۔ تیرہ سو برس ہو چکے آج تک اسی سازش پر عمل
ہوتا چلا آرہا ہے۔ کبھی آلِ رسولؐ کی منقبت میں حدیثیں بیان کرنے والوں کو سولی
دی گئی، کبھی زبانیں کاٹی گئیں، کبھی جیلوں میں ٹھونسا گیا۔ کبھی وطن سے بے وطن
بنایا گیا۔ پھر یوں بھی اس سازش پر عمل ہوا کہ غیروں کے فضائل میں جھوٹی حدیثیں
گڑھنے کے کارخانے بنائے گئے جہاں سے بے شمار غلط اور موضوع حدیثیں ڈھل
ڈھل کر مسلمانوں کے سامنے آتی رہیں۔ یہ حقائق ایسے نہیں ہیں کہ جن کو کوئی مانے اور
کوئی نہ مانے۔ ہر انصاف پسند انسان خواہ اس کا تعلق کسی مسلک سے ہو اس حقیقت
کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے مگر یہ بھی قدرت کا اعجاز ہے کہ فضائل اہلبیت میں بچی کچھی
حدیثیں بھی حقیقت کے چہرے سے نقاب ہٹا دینے کے لئے کافی ہیں جبکہ دیکھا کام
یوں بھی نہیں چلتا تو اب ایک اور سازش کی گئی یہ حملہ گویا اب عقب سے ہوا۔ براہِ راست

نہ تھا یعنی اب یہ کہا جانے لگا کہ رسولؐ کی دو حیثیتیں تھیں ایک نبی کی دوسرے بشر کی۔ پیغمبر کی کچھ باتیں بحیثیت بنی ہوتی تھیں اور کچھ بہ حیثیت انسان بہ ظاہر اس بات کا تعلق فضائل اہلبیت مٹانے کی سازش سے کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا مگر درحقیقت اس کا بھی تعلق اسی قدیم سازش سے ہے۔ آیئے اس سازش پہ سے نقاب الٹ دی جائے۔ ذرا غور تو فرمائیے جب رسولؐ کی زندگی کے دو شعبے ہو گئے ایک نبی اور ایک بشر تو وہ تمام اقوال و افعال جن کا تعلق غیروں سے ہو گا بہ حیثیت نبی قرار پائیں گے تو جن کا تعلق رسول سے ہو گا تو چونکہ آلِ رسولؐ، رسول کے قرابتدار ہیں اس لئے یہ سب اقوال و افعال بہ حیثیت بشر اور انسان قرار پائیں گے آپ نے دیکھا کہ بات گھوم پھر کر کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

میں جانتا ہوں کہ عقل و قرآن دونوں کی رو سے یہ خیال غلط ہے مگر میں تو اس وقت اس نظریے کو تھوڑی دیر کے لئے درست مانے لیتا ہوں مگر یاد رکھیئے کہ اگر اس نظریے کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے جب بھی فضائل اہلبیت گھٹیں گے نہیں بلکہ کچھ اور نمایاں ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اگر است والے ہوشیار ہیں تو خدا کا رسول بھی فہیم و حکیم تھا اس نے پہلے ہی سے انداز ایسا اختیار کیا تھا کہ سازش کا یہ انداز بھی فضائل اہلبیت کو مٹا نہ سکے۔

اس تنگ وقت میں یہ تو ممکن نہیں کہ فضیلت اہلبیتؑ کی تمام احادیث پہ روشنی ڈالی جائے البتہ صرف چند مشہور چیزوں پر اکتفا کی جاتی ہے مگر ان چند ہی باتوں سے آپ کو وہ رابطہ ضرور مل جائے گا جو انشاءاللہ اس سازش کو ناکام بنا دینے کے لئے کافی ہو گا۔

آئیے سب سے پہلے حضرت علیؑ کی فضیلت میں ایک حدیث کو لیجئے رسالتمآب کا ارشاد ہے کہ یا علی حربك حربی سلمك سلمی (اے علی تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے) یہ دیکھئے کہ یہ حدیث رسول نے بہ حیثیت انسان فرمائی ہے بہ حیثیت رسولؐ نہیں مگر یاد رکھیں کہ اگر آپ نے اس حدیث کو نبوی مرتبہ نہ دیا اور بشری حیثیت دے دی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رسولؐ کی ہر جنگ بھی بہ حیثیت بشر قرار پائے گی اور ہر صلح بھی بہ حیثیت انسان قرار پائے گی نہ مشیت کے اشاروں پر جنگ ہوگی نہ قدرت کے اشاروں پر صلح۔ ظاہر ہے کہ اسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا تو جب تک ہر مسلمان رسولؐ کی جنگ و صلح کو نبوی حیثیت دینے پر مجبور ہے اس وقت تک وہ اس حدیث کو بھی نبوی حیثیت دینے پر مجبور ہے۔

فضیلت علیؑ میں ایک دوسری مشہور حدیث کو لے لیجئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یا علی حبك ایمان و بغضك کفر و نفاق (اے علی تیری محبت عین ایمان اور تیری عداوت عین کفر و نفاق) اسلام و ایمان، کفر و نفاق کی تفاصیل اور اس کے علامات بتانا اگر انسانی منصب تھا تو یہ حدیث بھی بہ حیثیت بشر تھی اور اگر منصب نبوت کے فرائض میں تھا تو یہ حدیث بھی حیثیت نبی ارشاد فرمائی تھی بہ حیثیت بشر ارشاد نہیں فرمائی تھی۔

بہرحال پیغمبرؐ کی اس حدیث نے بتادیا کہ علیؑ ابن ابیطالب کی عداوت عین کفر و نفاق ہے۔ ذرا چند لمحوں میں اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ عداوت علیؑ کفر و نفاق کیوں قرار پائی۔

اسلام ہی میں ایک گروہ وہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر پیغمبر کی خواہش یہی تھی کہ ان کے جانشین علیؑ ابن ابیطالب ہی ہوں مگر مصلحت وقت کا تقاضا یہی تھا کہ علیؑ تخت حکومت پر آنے نہ پائیں اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اسلام کی ہر جنگ میں علیؑ پیش پیش تھے۔ عربی قبائل کے سردار اور جاہلیت کے ہیرو، علیؑ ابن ابیطالبؑ ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ لہٰذا عرب اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر جب علیؑ ابن ابی طالبؑ کا چہرہ دیکھتے تھے تو جذبات غیظ و غضب برانگیختہ ہو جاتے تھے گویا عرب اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر دل علیؑ کی طرف سے صاف نہ تھے۔ اور ظاہر ہے کہ حکومت دوستوں اور قدردانوں پر کی جا سکتی ہے دشمنوں اور دل میں عداوت رکھنے والے پر نہیں جال ایسے انداز سے بنا گیا ہے کہ سیدھے سادھے مسلمان اس جال میں آسانی سے پھنس سکتے ہیں مگر ذرا غور کیجئے تو یہ جال ابھی ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

یہ بات تو ظاہر سچ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی حلقہ بگوشی انسان کو فطرت کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی لہٰذا علیؑ کو دیکھ کر عربوں کا پیچ و تاب کھانا بالکل برحق تھا مگر یاد رکھیے کہ جس طرح عزیزوں کے قاتل کو دیکھ کر انسان کا پیچ و تاب کھانا فطری بات ہے تو اب یہ فرمائیے کہ علی میدان قتال میں اپنی مرضی سے آتے تھے کہ پیغمبرؐ بھیجتے تھے اور پیغمبرؐ اپنی خواہش سے بھیجتے تھے یا اشارۂ قدرت پا کر بھیجتے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ علی کی عداوت ذاتی علیؑ میں محدود نہیں رہ سکتی بلکہ اس کا سلسلہ بڑھ کر پیغمبرؐ کی ذات تک پہنچے گا اور پھر بڑھ کر ذات قدرت تک پہنچ جائیگا یعنی جو دشمن علیؑ ہو گا وہ مجبور ہے دشمن نبی و دشمن خدا ہونے کے لئے اور ظاہر

ہے کہ دشمن خدا یا کافر ہوگا یا منافق — اب غور فرمائیے کہ پیغمبرؐ ذات علیؑ کو معیارِ کفر و ایمان قرار دے کر کس راز پر سے پردہ ہٹا رہے تھے۔

مَیں عرض کر چکا کہ اتنا موقع و محل نہیں ہے کہ ہر حدیث پر روشنی ڈالی جائے اس لئے بس اب صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں یہ حدیث حضرت امام حسینؑ کے بارے میں ہے۔

رسالت مآبؐ مسجد میں خطبہ دے رہے ہیں۔ احکام الٰہی بیان ہو رہے ہیں کہ اس اثنا میں کمسن شاہزادہ مسجد میں آتا ہے قبا کے دامن میں پیر الجھا اور حسینؑ زمین پر گر پڑے رسالتمآبؐ نے اپنا خطبہ قطع کر دیا منبر سے اترے بچے کو گود میں اٹھا لئے ہوئے منبر پر آئے اپنی آغوش میں بٹھایا۔ اب زبان کو حرکت ہوتی ہے تو سلسلۂ کلام بدل جاتا ہے اب آیاتِ الٰہی کی تفسیر بیان نہیں ہوتی بلکہ ارشاد ہوتا ہے ھذا حسینٌ فاعرفوہ (مسلمانو! یہ میرا حسینؑ ہے اچھی طرح پہچان لو)

کہنے والے کہہ تو سکتے ہیں کہ حسینؑ کا یہ تعارف بشری حیثیت سے تھا نبی کی حیثیت سے نہ تھا مگر میں ذات پیغمبر کو بشری اور نبوی حیثیتوں میں تقسیم کرنے والوں سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں نبی، نبی کب ہوتا ہے اور بشر کب؟ اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ گھر میں ہو تو بشر ہے اور مسجد میں ہو۔ بالائے منبر ہو، آیاتِ الٰہی کا بیان ہو رہا ہو تو یقیناً نبی ہے، رسولؐ ہے اب اگر حسینؑ کا تعارف گھر کی چار دیواری میں ہوتا ہو تو گنجائش بحث نکل سکتی ہے کہ بہ حیثیت بشر تعارف تھا یا بہ حیثیت رسولؐ لیکن اگر حسینؑ کے تعارف کیلئے رسالتمآبؐ مسجد منتخب کریں منبر چنیں خطبہ منقطع کر کے حسینؑ کا تعارف ہو تو سمجھ لیجئے کہ حسینؑ کا تعارف منجملہ

فرائض نبوت تھا جسے رسولؐ ادا فرمارہے تھے۔

قرآن مجید کی آیتوں نے اتر اُتر کر آلِ رسولؐ کے مرتبے کو بتایا۔ ارشادات پیغمبری نے ان کی جلالت قدر کی طرف اشارے کئے مگر دنیا نے آل رسول کی قدر نہ کی۔ رسالت مآبؐ کی زندگی میں تو کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آل رسول کی بے حرمتی کر سکے البتہ رسالتمآبؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ کبھی علیؑ کے گلے میں رسی باندھی گئی، کبھی فاطمہ زہراؑ کا پہلو مجروح کیا گیا، کبھی امام حسنؑ کے جگر کے بہتّر ٹکڑے ہوئے اور کبھی میدان کربلا میں امام حسینؑ کو ان مصائب کا نشانہ بنایا گیا جس کا ہم آج تک ماتم کر رہے ہیں۔

دُنیا میں کون سا ایسا ولی خدا گذرا ہے کہ جو امتحان کی منزلوں سے گذرا نہ ہو مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن منزلوں سے امام حسینؑ گذر گئے اور جو اندازِ قربانی مظلوم کربلا نے اختیار کیا اس کی نظیر تاریخ مذاہب عالم میں نہیں مل سکتی۔

امام حسینؑ کی قربانی کی وہ خصوصیتیں ایسی ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتیں پہلے یہ کہ کسی نے ایک دن میں بہتّر قربانیاں نہیں پیش کیں اور دوسرے یہ کہ ہر قربانی پیش کرنے والے کا دفتر قربانی اس کی شہادت کے ساتھ ہی بند ہو گیا مگر یہ صرف امام حسینؑ ہی کی ذات تھی کہ خود شہید ہو گئے مگر قربانیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امام حسینؑ کی قربانیاں محض وہی نہ تھیں جو میدان کربلا میں پیش کی جا رہی تھیں بلکہ یہ بھی اسی بیکس و مظلوم کی قربانیاں تھیں جو جنابؑ زینبؑ کے وسیلے سے بازار کوفہ و شام میں پیش کی جا رہی تھیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام قربانیاں خود اس لئے پیش کی جا رہی تھیں کہ ہر شے قربان ہو جائے مگر دینِ اسلام بچ جائے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اگر میدانِ کربلا میں امام حسینؑ ان قربانیوں

کو اسلام کی حفاظت کے لئے پیش نہ فرما دیتے تو اسلام بچ نہ سکتا تھا۔ اسلام کی سانس اکھڑ چکی تھی ماتھے پر موت کا پسینہ آچکا تھا نبضیں ڈوب چکی تھیں دنیا کو اسلام کی موت کا یقین ہو چکا تھا کہ اسی اثناء میں حق کا خدائی رسول کا فرزند علیؑ کا جانشین سید الشہداء آگے بڑھا اور اسلام کے تن مردہ میں دوبارہ جان ڈال دی۔

ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ جب ایک مجروح انسان کی کمزوری و ناتوانی حدوں سے گزر جاتی ہے لوگ مایوس ہونے لگتے ہیں تو ڈاکٹر اگر تیمارداروں سے کہتا ہے کہ اب مریض کی جان صرف اسی صورت سے بچ سکتی ہے جب کہ اس کے جسم میں کوئی شخص خون منتقل کردے مریض کا کوئی عزیز آگے بڑھتا ہے اپنا خون پیش کر دیتا ہے وہ خون اس زخمی انسان کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور وہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اتنا زخمی ہو چکا ہے کہ اب بغیر خون دیے ہوئے بچنا مشکل ہے لہٰذا حسینؑ آگے بڑھے اور اپنا خون اسلام کی رگوں میں دوڑا کر اسلام کی زندگی کے ضامن بن گئے مگر یاد رکھیے جب زخمی کے لئے خون کی ضرورت ہوتی ہے تو ڈاکٹر ہر خون قبول نہیں کر لیتا بلکہ اور چیزوں کے ساتھ یہ بھی دیکھتا ہے کہ خون دینے والے کے خون میں کسی مرض کے جراثیم تو موجود نہیں اور اگر جراثیم موجود پاتا ہے تو اس خون کے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

بس اسی لئے میدانِ کربلا میں بھی حسینؑ اپنے ساتھ ایسے ہی لوگوں کو لائے تھے کہ جن کے دلوں میں کسی طرف سے بھی کھوٹ نہ ہو جو اگرچہ اصطلاحی اعتبار سے معصوم نہ ہوں مگر پھر بھی ایسے ہوں کہ امام زمانہ فرمائیں کہ بابی انتم و امی طبتم و طابت الارض التی فیھا دفنتم (میرے ماں باپ نثار تم پر انصار حسینی تم بھی طیب و طاہر ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک و پاکیزہ ہو گئی جس میں دفن ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مجلس ہفتم

وفات خاتونِ جنّت علیہا اللہ سلام

(از جناب مولانا کرار حسین صاحب قبلہ واعظ)

اَلْحَمْدُ لِاَھْلِہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی اَھْلِھَا۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ۔ (پ۲۳ س یٰسین ع ۲)

(ترجمہ:۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آئی تو یہ لوگ منہ موڑے بغیر نہیں رہے)

حضرات!

نشانی اگرچہ انسانی کارروانِ رہبری کے لئے مخصوص ہیں لیکن عادت ڈالنے سے بے شعور مخلوقات تک نشانات پہچانتے ہیں وہ جانور وحشی نہیں اہلی کہے جاتے ہیں جن کو "گھر" اور "گھاٹ" کی تمیز ہوتی ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ بھی ان کی گود میں ہے سب ہی نشانی ہیں انسان خود آیت ہے بلکہ نشانات کی دنیا ہے اسی لئے مولائے کائنات جناب امیرؑ نے فرمایا ہے اَتَزْعَمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ۔

(اے انسان تو سمجھتا ہے کہ ایک معمولی جرثومہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اندر دنیا سماتی ہے)

علامت شناسی عقلمندی ہے اور ناشناسی ہوش وخرد سے بیگانگی ہے۔ نشانیاں ہر طرح کی ہوتی ہیں۔ شکل وصورت کی نشانی، نام کی نشانی، چھوٹی نشانی، بڑی نشانی، خوف کی نشانی، امید کی نشانی، خوشی وغم کی نشانی، حزن والم کی نشانی، بزدلی کی نشانی، شجاعت کی نشانی، اسلام وایمان کی نشانی، کفر ونفاق کی نشانی۔ غرض ہر شئے نشان سے پہچانی جاتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے سمجھی جاتی ہے یہ اسی لئے کہ نشانات جدا ہوتے ہیں فرق بتاتا ہے کہ اتحاد نہیں اختلاف ہے۔ نشان باقی بھی رہتا ہے۔ نشان مٹتا بھی ہے وہ نشان کبھی نہیں مٹتا جو کچھ حقیقت رکھتا ہے وہ نشان ملیامیٹ ہو جاتا ہے جو مجاز کے پانی پر قائم کیا جائے اسی لیے حق کے لئے بقا ہے اور باطل کے لئے فنا۔ نبیؐ کریم حق بہ بنفسہ کلمہ آج تک باقی ہے۔ ابوجہل باطل تھا مٹ گیا۔۔۔ (صلوٰۃ)

آیات کا قیام اتنا ضروری ہے کہ انسانوں کے وجود سے پہلے وہ موجود کی جاتی ہیں جناب آدمؑ ہیں مگر آدمی نہیں راہبر ہے مگر راہرو نہیں ہادی ہے۔ مگر ہدایت پانے والے نہیں ایسا صرف اس لئے کیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمارا قصور نہیں کوئی راہ بتانے والا نہ تھا ہم مجبور تھے کوئی ہدایت کرنے والا نہ تھا۔ جناب آدم سے حضرت عیسیٰؑ بلکہ سرور کائنات تک ہدایت کے اس سلسلۃ الذہب میں کہیں کوئی کڑی ٹوٹی نہیں۔ تاریخ انبیاء گواہ ہے کہ دنیا چھوڑنے سے پہلے ہی انبیاء کرام اپنا جانشین معین فرما دیتے تھے لن تجد لسنۃ

لِسُنَّۃ اللہ تبدیلا (تم خدا کی عادت میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤ گے) کے محکمہ قانون کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی دنیا نہیں چھوڑی جب تک مَنْ کُنْتُ مولا فھذا علیٌّ مَولَا کا روح پرور مژدہ سنا نہ دیا۔

نبیؐ سے خطاب کرکے اگلوں کے حالات بیان کرنا یقیناً عہد نبیؐ اور آیندہ آنے والوں کے لئے کوئی سبق، عبرت اور درس ہے ورنہ محض نقل واقعہ اور بیان حکایت ہوکر رہ جائے گا جو تنزیل قرآن کا مقصد نہیں —— ذکر کفار کا ہے لیکن اس طرح جس سے ان کی عادت و خصلت کا پتہ چل جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو بات خصائص اور اوصاف سے متعلق ہوتی ہے اگرچہ باعتبار خطاب مخصوص ہو لیکن عمومیت رکھتی ہے۔ آیات سے روگردانی کفار کی ایسی عادت ہے۔ جو کفر کے خصائص اور مخصوص اوصاف میں ہے اب اگر اس کا مظاہرہ کسی اور سے بھی ہو تو وہ آیت بن جائے گا خصائل کفر اور عادات شرک کا نہیں تو کم از کم اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ کفر کے کہنہ عادات ابھی چھوٹے نہیں۔

یہ تو مثل کے طور پر مشہور ہے کہ بُری عادتیں مشکل سے جاتی ہیں خصوصاً جب کہ عادات کو مدت گزر گئی ہو اس بنا پہ آیات خدا کی عزت و حرمت علامت ہے عادات کہن سے بیزاری کی اور اگر ایسا نہ ہو تو سمجھ لیجئے گا کہ سابق کی مشق کی جاتی ہے صرف موقع کا انتظار ہے۔

اعراض کے معنی ہیں روگردانی اور منہ پھیر لینے کے یعنی بجائے سامنے دیکھنے کے داہنے یا بائیں منہ موڑ لینا اسے کہتے ہیں عادات کی پختگی اور کہنگی کہ عبادت

میں بھی ترک نہ ہوئی ایسا ہونا بھی چاہیے تھا اس لئے کہ کعبہ بھی تو آیۃ اللہ ہے بلکہ مرکز آیات ہے لہٰذا اعراض و روگردانی بھی ضروری ہے۔ (صلوٰۃ)

ہم بھی منہ پھیر لیتے ہیں لیکن کہاں کب اور کس سے؟ جس سے خود نبی نے اعراض فرمایا اور منہ پھیرا ۔۔۔ اعراض مذموم بھی ہے اور ممدوح بھی اگر اللہ اور اللہ والوں سے اعراض ہو تو مذموم اور اگر اللہ کے لئے غیر اللہ سے اعراض ہو تو ممدوح اور ایسا پسندیدہ کہ نبیؐ کریم کو اعراض کا حکم دیا جاتا ہے۔ جنگ تبوک سے رسولؐ پلٹ رہے ہیں اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے یہ دیکھ کر کہ لڑائی بھی نہ ہوئی۔ صحیح سالم لوگ واپس چلے آئے اور ہم بیٹھے رہے۔ نبی کریم کے حکم کی بھی مخالفت کے مرتکب ہوئے تو بات بنائی جسے قرآن نے ان لفظوں میں ذکر کیا ہے ۔۔۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ (آپ کے سامنے یہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپ ان سے راضی ہو جائیے اور در گزر کر دیجئے آپ ان کی طرف سے منہ پھیر لیجیے۔ بے شک یہ لوگ ناپاک ہیں ۔۔۔) یہ تھے منافقین جن سے حکم ہے نبی کو منہ پھیر لینے کا بس ہم اسی اعراض کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھئے کہ "رجس" ہمیشہ قابل اعتراض ہے اور جب ایسا ہے تو طہارت ہمیشہ قابل التفات اور لائق توجہ ہے۔ قرآن کی روشنی میں یہ بات طے ہو گئی کہ ہادیؑ عالم جس سے منہ موڑ لیں وہ "رجس" ہو گا تو جس کو اپنے دربار سے "دفعان ہو جاؤ میرے پاس سے" کہہ کر نکال دیں اس کے رجس ہونے میں کوئی شک و ریب کی گنجایش نہیں رہے گی۔ (صلوٰۃ)

آیت کا لہجہ بتاتا ہے کہ ہر زمانہ اور عصر میں کچھ اس انداز سے دنیا داروں نے آیات الٰہیہ سے اعراض کیا ہے اور انحراف کے مرتکب ہوئے کہ قرآن نے ان کی اس عادت کو ایک کلیہ کی حیثیت دیدی وہ کلیہ ہے کانوا عنھا معرضین اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں آیات الٰہی سے روگردانی کی گئی چاہے وہ اللہ کی پہلی آیت ہو جہاں سرخیل شیاطین جن ابلیس نے انکار کیا یا وہ آخری آیت ہو جہاں سرگروہ شیاطین انس نے روگردانی کی۔

قرآن کریم نے آیۃ اللہ کی پہچان بتائی ہے۔ اہل دنیا کا اس سے مُنہ موڑ لینا اب اگر کسی سے منہ نہ موڑیں اعراض و انحراف نہ کریں اور دنیا کے سب ہی اچھے بُرے لوگ اس سے محبت کریں تو اس کے آیۃ اللہ ہونے میں شبہہ ہو گا ــــ دُنیا کا ہر ذرہ اس اعتبار سے آیۃ اللہ ہے کہ وہ صانع عالم کے وجود کی علامت اور نشانی ہے اسی لئے دُنیا والوں نے اس سے انکار کیا اور اس کا جواب دینا چاہا اور یہ عجب اعجاز ہے قرآن کے بیان کا کہ کانوا عنھا معرضین ہر جگہ نمایاں رہا۔ مصنوعات وایجادات عالم کا جائزہ لیجئے تو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی۔ جس سے اعراض نہ ہوا ہو اور یہی نہیں بلکہ اس کے بجائے دوسرا بنایا گیا۔

قدرتی پھولوں کے مقابلے میں مصنوعی پھول بنائیے، کلیاں بنائیے، درخت بنائیے، دریا اور سمندر بنائیے، آفتاب و ماہتاب بنائیے۔ سیارہ و ثوابت بنائیے، ہرن بنائیے، شیر بنائیے، گھوڑے اور ہاتھی بنائیے اور انسان نے انسان کو بنایا مگر انسان کی بنائی ہوئی چیزیں لغو اور بیکار محض ثابت ہوئیں

پھول بنائے خوشبو نہیں، کلیاں بنائیں شگفتگی نہیں۔ درخت بنائے بار آور
نہیں ہوئے، دریا بنایا تو موجیں نہ مار سکا، سمندر بنائے مد و جزر نہ پیدا ہو سکا
آفتاب بنایا مگر روشن نہیں، ماہتاب بنایا مگر ضو نہ دے سکا، ستارے بنائے
چمک نہ پیدا ہوئی، ہرن بنائے چوکڑی نہ بھر سکے، شیر بنائے دھاڑ نہ سکے
گھوڑے بنائے سرعت رفتاری نہ دے سکے، ہاتھی بنائے مستانہ روی نہ
سکھا سکے۔ خود انسان بنایا، آنکھیں بنائیں مگر بے نور، کان بنائے مگر بہرے،
ہاتھ بے حس زبان کا ناطقہ بند، ناک بنائی زندگی ضیق میں پڑ گئی، پاؤں چل نہ سکے
دماغ سوچ نہ سکا اور دل حرکت نہ کر سکا ـــــ مگر خدا کی بنائی ہوئی ہر چیز آیت
اور اگر کہیں چھوٹی آیتیں بھی خرق عادات کے عنوان سے سامنے آئیں تو ان کی
عظمتیں آسمان کی رفعتوں سے بھی بلند تر ہو گئیں، ہوا روز چلتی ہے، پانی آئے
دن برستا ہے اور سورج کے لئے طلوع غروب لگا ہی ہے یہ چیزیں آیۃ اللہ
ہیں مگر یہی ہوا جب آندھی کی شکل اختیار کر لے، برستا ہوا پانی جب طوفان
کا منظر پیش کرنے لگے یا آفتاب و ماہتاب کو جب گہن لگ جائے تو نماز
آیات واجب۔

معلوم ہوا کہ آیات الٰہی غیر معمولی صفات و اثرات کی حامل ہوا کرتی ہیں۔

طائر کا ہوا میں پرواز کرنا ایک عام بات ہے لیکن خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے
ارادے سے آنے والے ابرہہ کے لشکر پر منڈلانا اللہ کی نشانی ہے۔

کعبہ میں آمد و رفت ایک عام بات ہے مگر اس انداز سے آنا کہ دیوار درمیان
جائے خدا کی نشانی ہے۔

بڑے ہو کر سانپ کو مار ڈالنا عام بات ہے مگر گہوارۂ طفلی میں اژدر کو دو ٹکڑے کر دینا خدا کی نشانی ہے۔

میدان جنگ میں دشمن پر حملہ کرنا عام بات ہے لیکن بازو کی ابھری ہوئی مچھلیوں کی توانائی دیکھ کر ذوالفقار کا دست زبردست حیدر کرار میں آنا اور جبرئیل کا لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار کہنا یقیناً آیۃ اللہ ہے۔

دن بھر کام کرنا راتوں کو آرام سے سو رہنا عام بات ہے لیکن پر لیس اپنی ہوئی خون کی پیاسی تلواروں کے سایے میں رضا، باری کا مالک بن جانا اللہ کی نشانی ہے۔

گفتگو سے رشتوں کا طے کرنا عام بات ہے مگر سیدہ زہرا کا رشتہ زہرہ ستارہ اتر کر بتلائے یہ آیت اللہ ہے (صلوٰۃ)

الہٰی آیتوں کا مقابلہ کرنا سفاہت اور نادانی ہے۔۔۔۔ ہمیں دنیا کی ترقیوں سے انکار نہیں مگر ان ترقیوں سے مرعوب ہو کر یا رواداری کے غلط مفہوم میں اکثریت کا ہمنوا ہو کر آیات الہیہ کی عظمت و حرمت سے چشم پوشی کرنا بھی اپنا شیوہ نہیں۔

ہمیں اس کا اقرار ہے کہ اپنی ترقیوں کی بدولت ترقی یافتہ دنیا فائر پروف کی ایجاد سے اپنے کو آگ سے محفوظ رکھ سکتی ہے مگر خلیلؑ کے جسم کا جواب کہاں ملے گا جس نے نار نمرودی کے بھڑکتے شعلوں کو گلزار بنا دیا تھا ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ واٹر پروف کی ایجاد سے سمجھدار انسان اپنے کو غرق ہونے سے بچا سکتا ہے

مگر عصائے موسوی کے اثرات کہاں سے آجائیں گے جو دریاؤں میں راستہ پیدا کر دیں۔ ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ دُنیا نے عقل کی مدد اور مادہ کے سہارے فضا کو مسخر کر لیا اور ہوائی جہاز اڑا دیا مگر بساطِ سلیمانی کا سا انداز کہاں پیدا ہو سکتا ہے ہم اس کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ ترقی یافتہ انسان بیک وقت کئی مقامات پر نظر آ سکتا ہے لیکن دُنیا علی جیسا کمال کہاں سے لائے گی جو بغیر کسی مادی سہارے کے بیک وقت چالیس مقامات پر موجود تھے ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ اپنی ترقیوں کی بدولت دنیا نے فون کے ذریعہ قوت سامعہ کو تقویت پہنچائی لیکن سلیمان کی قوت سماعت کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تین منزل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سلیمانؑ سن رہے ہیں جو دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے "اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ کہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر لاعلمی میں تمھیں کچل نہ دے" کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس گفتگو پر کیوں برہم ہوئے تھے؛ صرف ایک کلمہ کی بنا پر اور وہ لا یحطمنکم سلیمان کہ کیوں اس نے ایک معصوم و برحق نبی کی طرف روندنے، پامال کرنے اور پیس ڈالنے کی نسبت دی یہ تو کارِ خطا ہے، اس سے عصمت کو کیا واسطہ؟ خطا، خطاکار کرتے ہیں معصوم نہیں۔ (صلوٰۃ)

آج دنیا کے سامنے جب ہم ان حقائق کو پیش کرتے ہیں تو دنیا کہتی ہے یہ افسانۂ پارینہ ہے ہم نہیں مانتے اور قرآن آواز دیتا ہے کانوا عنھا معرضین یہ چیزیں آیاتِ الٰہی ہیں دنیاداروں کو انحراف و اعراض ہی کرنا چاہیئے ـــــ لیکن یاد رکھیئے منکر کا اعراض و انحراف آیاتِ الٰہی کی عظمت و حرمت میں فرق نہیں پیدا کر سکتا۔

اللہ اپنی ایک آیت کو محفوظ رکھنے کے لئے گرد و پیش کے ماحول کو بھی آیۃ اللہ بنا دیتا ہے۔ میرے اس دعویٰ کی تصدیق خود قرآن مجید کرے گا حضرت عزیزؑ سو سال سوتے ہیں پوچھا گیا کہ بشت کتنا سوئے؟ جواب دیا کہ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْم (ایک روز یا اس سے بھی کچھ کم) حضرت عزیز نے ایسا کیوں کہا؟ اس لئے کہ جب وہ سو کر اُٹھے تو انھوں نے گرد و پیش کے ماحول کو بعینہٖ ویسا ہی پایا سر مو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی نہ لباس بوسیدہ ہوا نہ ناخن اور بال بڑھے نہ کھانا خراب ہوا حد ہو گئی، گدھا بھی اسی انداز سے اپنی جگہ بیٹھا تھا جہاں حضرت عزیز نے اس کو باندھا تھا یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ حضرت عزیز جیسے نبی کو آیۃ اللہ بنا کر زمانے کے سامنے پیش کرنا تھا۔

از حد تعجب ہے کہ گدھا ایک نبی کے پہلو میں مکمل ایک صدی تک شرف صحبت سے بلا شرکت غیرے مستفیض ہوتا رہا مگر اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ گدھا تھا اس لئے صحبت سے فیضیاب نہ ہوا اس نے آواز دی جناب عالی! میرا ہی کیا قصور، مدتوں کعبہ میں بُت خدائی کرتے رہے۔ کعبہ میں رہ کر بتائیے ان بُتوں کو کیا مل گیا؟ بتوں نے کہا جناب تو ہمارا ہی کیا قصور ہے ہم فیضیاب ہوتے بھی تو کیوں کر ہم نے زبردستی غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا آپ ذرا نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں اور نوحؑ کے فرزند سے پوچھئے کہ تم نے صحبت نبوت سے کیا پایا۔ فرزند نوحؑ نے کہا تو ہمارا ہی کیا قصور ہے عزازیل سے پوچھئے عبادتوں ریاضتوں کے ساتھ ملک اور کروبین کی صحبت سے اس کو کیا ملا؟ لیجئے عقدہ حل ہو گیا، بات سمجھ میں آ گئی کہ اچھی صحبتوں سے وہی فیضیاب ہو سکتا ہے جو لائق ہو۔ اگر ظرف میں گنجائش ہو تو چند برسوں کی صحبت نبوت خاک سے پاک

کر سکتی ہے اور غیر سے اپنا بنا سکتی ہے۔ سوچیئے کہاں فارس اور کہاں مگر آنحضرت
نے بڑے پیار سے فرمایا کہ مہاجرین و انصار غور سے سُن لو نہ سلمان گروہ مہاجرین
میں سے ہیں اور نہ سلمان گروہ انصار میں سے سلمان منا اھل البیت:۔
(سلمان تو ہم اہلبیت میں سے ہیں۔
اور اگر ظرف میں صحبت نبوت کی سمائی نہیں تو دیکھ لیجیئے سو سال عزیز
جیسے نبی کے برابر پہلو بہ پہلو سو کر اٹھنے والا گدھا ہی رہا (صلوٰۃ)
اس واقعہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ دنیا دارو! اب قائم آلِ محمدؑ کی زندگی
اور حیات پر شک و شبہہ نہ کرنا۔ عزیز کون ؟۔ پیشانی نور ختمی مرتبت پہ آئے ہوئے
پسینہ کا ایک قطرہ لیکن جب ان کو آیت بنایا گیا تو گرد و پیش کے ماحول کو بھی
آیت بنا دیا گیا اس لئے اگر آنحضرتؐ کے گوشت و پوست اور ان کے جگر کے ٹکڑے
جان حسن عسکریؑ پردہ غیبت میں زندہ ہوں تو شک و شبہ باعث کفر ہو گا اور مقام
حضرا سے انکار کرنے والا کانوا عنھا معرضین کا مصداق بن جائیگا۔
کہا جا سکتا ہے کہ جب قرآن نے اعلان کر دیا کہ آیاتِ الٰہی سے ہمیشہ اعراض
کیا گیا ہے تو کیا کسی نے قرآن مجید سے بھی منہ موڑا ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ساری دنیا
اس کی مدح کرتی ہے خود مسلمان "قرآن ہمارے لئے کافی ہے" کہکر اس کے سینے سے لگائے
ہے فریموں میں لگا کر گھروں کو زینت دی ہے۔ قرآن محض آیت ہی نہیں۔ بلکہ
مجموعہ آیات ہے مگر یہ خیال غلط ہے کہ قرآن سے مُنہ نہیں موڑا گیا یہ صحیح ہے
کہ قرآن فریموں میں لگایا جاتا ہے مگر یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ قرآن در و دیوار
کی زینت کے لئے نہیں بلکہ قلب و دماغ کی زینت کے لئے نازل کیا گیا تھا یہ

یہی صحیح ہے کہ "قرآن ہمارے لئے کافی ہے" مسلمانوں نے کہا ہے لیکن درحقیقت یہی کلمہ ہی قرآن سے انحراف واعراض کی دلیل ہے — قرآن آیا تھا نبی کا تعارف کرانے عظمت نبوت کو اجاگر کرنے، اقوال نبوت کی تصدیق اور کردار نبوت کی تائید کرنے۔ مگر حسبنا کہہ کر مسلمانوں نے قرآن کو جھٹلایا قرآن کا مذاق اڑایا۔ کانوا عنہا معرضین کے مصداق مسلمانوں نے حسبنا کا نعرہ لگا کر اعراض وانحراف کی حد کر دی۔

حسبنا کا نعرہ صرف عترت ہی سے کنارہ کشی اور بیزاری کا اعلان نہ تھا بلکہ عقیدۂ نبوت و رسالت سے بھی روگردانی اور اعراض کا اظہار ہے اس لئے کہ جب حسبنا کا نعرہ بلند کیا گیا تو اسی وقت یہ بھی کہا گیا کہ دَعوالرجُل فَاِنَّہٗ لیھجر (یعنی چھوڑ و اس مرد کو کیوں کہ یہ حتماً اور یقیناً ہزیان کہہ رہا ہے) ملاحظہ کیجئے کلمۂ اَلرَجُل خود اعتقاد نبوت کا گلا گھونٹ رہا ہے اگر قائل آنحضرت کو نبی اور رسول جانتا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ "اس مرد کو چھوڑ" زیادہ سے زیادہ "نبی کو چھوڑ دو" کہہ سکتا تھا — فرمائیے! جن لوگوں کا اعتقاد نبوت پر نہ ہو وہ حسبنا کا نعرہ لگا کر قرآن کو سینہ سے کیسے لگا سکتے ہیں۔

قیامت ہے یہ کہنا کہ مسلمانوں نے قرآن کو سینے سے لگا کر رکھا — میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں نے جس طرح قرآن سے منہ موڑا اور احکام قرآنی کی خلاف ورزی کی دُنیا کی کسی قوم نے اپنی مذہبی کتاب سے اس طرح روگردانی اور اختلاف نہ کیا ہوگا دربار خلافت میں اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ پیش ہو رہا ہے۔ مدعیہ سرکار رسالت کی اکلوتی بیٹی عصمت کبریٰ سیدہ زہراؑ اور مدعا علیہ صدر جمہوریہ عربیہ

اور رئیس انتظامیہ ہیں۔ میں نے اپنی نوعیت کا واحد مقدمہ اس لئے کہا کہ دنیا کی پہلی اور شاید آخری مثال ہے کہ جو مدعا علیہ ہے، وہی وکیل ہے، گواہ ہے اور پھر جج بھی ہے ۔۔۔ صدیقہ مدعیہ نے گواہ پیش کئے اور اتفاق سے ان گواہوں کو پیش کیا جو اپنی صداقت کی وجہ سے اتنے باوقار تھے کہ رسالت و نبوت کے گواہ بن کر نصاریٰ نجران کے مقابلے میں گئے تھے اور ان گواہوں کی شخصیت سے نصاریٰ نجران اس طرح مرعوب ہوئے کہ اپنی شکست تسلیم کر لی ان گواہوں کے علاوہ مدعیہ نے ام ایمن جیسی جنتی بی بی اور آیات قرآنی کو بھی پیش کیا اور مدعا علیہ کے پاس صرف ایک لاوارث حدیث جس کا کوئی گواہ نہیں اس کے باوجود مدتی جمہوریہ کے صدر نے مقدمہ خارج کر دیا۔ فرمائیے کیا مدعا علیہ نے مع اپنی جماعت کے سیرت انبیاء فرمان خدا، کردار نبیؐ، حکم قرآن اور دستور دنیا سے اعراض و انحراف اور روگردانی نہیں کی تعلیمات قرآنی، سے منہ نہیں موڑا؟ یہ لوگ ہیں جنہوں نے حسبنا کا نعرہ بلند کر کے دنیا کو مبتلائے فریب رکھا ہے ۔۔۔ آیاتِ الٰہی جنھیں عترت کہہ کر نبیؐ کریم نے مسلمانوں کے درمیان چھوڑا ان کا حال یہ ہے کہ دو۔ دو۔ تین۔ تین روز فاقے کرتے ہیں۔ صاحب مناقب لکھتے ہیں کہ:۔

"جناب سیدہ نے اپنی چادر زید یہودی کے پاس گروی رکھ دی اور اس سے کچھ جَو قرض لئے جب زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر نور سے معمور پایا اپنی عورت سے پوچھا کہ یہ نور کیسا ہے اس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی چادر ہے پس وہ اور اس کی عورت

اور اس کے ہمسائے کل ۸۰ آدمی فوراً ایمان لے آئے۔"

معصومۂ عالم کے سر سے مس ہو جانے والی چادر بھی آیت الٰہی بن گئی۔ ۸۰ آدمیوں کو اس چادر نے دولت ایمان سے مالا مال کر دیا یہ برکت و سعادت اسی کی چادر میں ہو سکتی ہے جو خود آیت الٰہی ہو اور اگر کوئی آیت الٰہی نہیں ہے تو ایسی ذات اگر خلاف حکم قرآنی گھر سے نکل کر فوج کی کمانڈر ہو جائے اور میدان جنگ میں اگر لمبی چوڑی تقریر بھی کرے تو بے کار بلکہ اس کا اثر اور مضر رونما ہوگا (صلوٰۃ)

قرآن اور عترت سے مُنہ موڑنے والوں نے نبی کی اکلوتی بیٹی کو اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ صابرہ اور مظلومہ نے فریاد کی —" بابا آپ کے بعد مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو وہ رات کی طرح تاریک ہو جاتے —"

سنگدلوں نے پیغام کہلوایا —" علیؑ! رسولؐ کی بیٹی سے کہہ دیجیے۔ دن کو روئیں یا رات کو ان کے گریہ سے ہمارا آرام حرام ہو گیا۔" علیؑ نے پیغام پہنچایا یادگار خدیجہؑ نے کہا۔" ابو الحسنؑ آپ ان سے فرما دیں کہ میں ان کے درمیان زیادہ دن نہیں رہوں گی مگر جب تک رہوں گی بابا کو روؤں گی —آہ باپ کو رونے والی اب خود دنیا چھوڑ رہی ہے —کنیزیں مسجد کی طرف دوڑیں راستہ میں جناب امیرؑ سے ملاقات ہوئی آپ نے ان کو سراسیمہ دیکھ کر پوچھا "کیا حال ہے" انھوں نے عرض کیا جلد تشریف لے چلیے حالت غیر ہے۔

آپ بیت الشرف میں آئے دیکھا یادگار رسالت بے ہوش ہے۔ سر زانو پہ رکھا آواز دی —" زہراؑ" جواب نہیں ملا۔ پھر پکارا" بنت رسولؐ" پھر جب

آواز نہ آئی تو تیسری بار خطاب کیا: "فاطمہ" سیدہ زہراؑ نے آنکھیں کھولدیں اور وصیت کی:۔

"ابن عم! اگر رضا جوئی میں کوئی کمی کی ہو تو معاف کر دیجئے گا۔
اے ابوالحسن! اب یہ بچے بن ماں کے ہوں گئے اگر خلاف مزاج
کوئی امر سرزد ہو تو درگزر کیجئے گا۔"

عصر کی نماز کے لیے جناب امیرؑ مسجد میں تشریف لے گئے ابھی آپ مسجد ہی میں تھے ایکبارگی سُنا یا اَبتاہ مَاتَت اُمّنا بابا ہماری اماں مرگئیں، علیؑ نے مڑکر دیکھا حسنینؑ ہچکیاں لے لے کر رو رہے ہیں۔ انھیں ساتھ لے کر روتے ہوئے گھر میں آئے تو زینبؑ و اُم کلثومؑ کو پچھاڑیں کھاتے دیکھا۔ بن ماں کی بچیاں دوڑ کر باپ سے لپٹ گئیں "بابا ہماری اماں کیا ہوئیں"۔ "آہ کون ہے جو علیؑ کو سہارا دیتا۔ چند گنے صحابی ہیں جو دروازے پر ہیں علیؑ نے بنت رسولؐ کو غسل دینا شروع کیا۔ غسل دیتے دیتے فاتح خیبر ایکبار چیخ کر رودیے۔ علیؑ کے رونے کی آواز سلمان نے سنی۔ آہ کون سی مصیبت پڑی کہ میرا صابر شاکر امام چیخ کر رویا ادھر سلمان پریشان ادھر علیؑ نے کفن پہنایا بچوں کو آواز دی۔ آؤ آخری بار ماں کو اور دیکھ لو۔" مگر جس وقت بچوں نے رونا شروع کیا کفن سے ایک نحیف آواز آئی "آہ" اور دونوں ہاتھوں سے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آواز آئی علی بچوں کو علیحدہ کر لیجئے۔ جب علی برآمد ہوئے تو جناب سلمان نے دست ادب جوڑ کر پوچھا "میرے صابر امام چیخ کر کیوں روئے؟" علیؑ نے رو کر جواب دیا "آہ سلمان کیا بتاؤں!

جب میں بنتِ رسولؐ کو غسل دے رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ زہرؑا کے پہلو کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ سیدہ مر گئیں مگر مجھ سے کبھی اظہار تک نہیں کیا۔ سلمان! غم اس کا ہے کہ میں زندہ رہا اور سیدہ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ لیجئے زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ رسولؐ پر رونے والی نے کوچ کیا۔ وا اَبتاہ کے جگر خراش نالے سنائی نہ دیں گے۔ کہدو اہل مدینہ سے اب آرام کریں۔ علیؑ جنازہ لے کر قبر نبی پر آئے آواز دی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اللہ کے نبیؐ آپ کی امانت لایا ہوں۔ آپ کے بعد ہم پر کیا گزر گئی سیدہؑ بتائیں گی۔

مجلس ہشتم

اخوتِ اسلامی

از عمدۃ الناطقین مولوی رضی الدین حیدر صاحب ایم۔اے منیجر یادگار حسینی اسکول الہ آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ هٰرُوْنَ أَخِي اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا۔ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (سورہ طٰہٰ) ان آیات میں خلاق عالم نے تمنائے قلب کلیمی کو بطور دعا پیش فرمایا ہے۔ دل کی تمنا دعا بن کر اس وقت زبان پر آ رہی ہے جب حکم ہو رہا ہے کہ

اے موسٰی اب تم فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی حکم حضرت احدیت کا وزن تبلیغ رسالت کی اہمیت، موقع کی نزاکت، موقف کی سختی اور وقت کی بات۔ فوراً زبان کلیمی بارگاہ مولیٰ میں گویا ہوئی۔ عرض کرتے ہیں پروردگارا۔ تعمیل حکم کی منزل میں قدم اٹھا رہا ہوں میرے لئے میرے سینے کو کشادہ فرما یعنی مجھے اس امر عظیم ایسے بادشاہ پر نخوت و شوکت کے دربار میں رشد و ہدایت کے کام کی انجام دہی کے لیے جرأت و دلیری عطا فرما، اور میرا کام میرے لئے آسان فرما دے اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کو کھول دے تاکہ میری بات لوگوں کی سمجھ میں آسکے۔ اور میرے کنبے والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر کر دے جو اس کام میں میرا بوجھ بٹا سکے اور اس کے ذریعے سے میرے پشت کو قوی کر دے اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنا دے تاکہ ہم دونوں مل کر تیری تسبیح کریں اور کثرت سے تیری یاد کو قائم کریں۔ تُو تو ہماری حالت دیکھ ہی رہا ہے۔

دُعا ختم ہوئی کلیم کی۔ دُعا تھی شرف قبولیت نے مژدہ سنایا۔ ایک ایک کر کے سب دعائیں مستجاب ہوئیں۔ قدرت نے دونوں کو اس مہم پہ روانہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ، اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ (پھر ہم نے موسٰی اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور فرعونیوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے کبر و غرور کیا اور وہ تھے ہی بڑے سرکش ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ کار تبلیغ

وہدایت کے لئے ضروری ہے کہ اپنا بھائی ساتھ ہو، اخوت ومحبت کے رشتے ہجوم افکار وآلام میں سہارا بنیں تاکہ نتیجہ کامیاب اور مفاد تبلیغ اپنے نقطہ کمال پر پہونچے۔ دراصل یہ ایک قرآنی تعلیم ہے کہ ہم مفاد اجتماعی کے لئے کام شروع کرنے سے پہلے اپنے لئے شریک کار تلاش کریں اور اس کے لئے بھائی سے زیادہ موزوں فرد اور کون ہو سکتی ہے جو احساس وشعور اور اقدام وعمل میں اپنے کو برابر کا ذمہ دار سمجھے پھر سب لوگ ایک برادرانہ جذبہ کی سرشاری کے ساتھ سعی وعمل میں مصروف ہو جائیں۔ اسی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت کے نزدیک بھی اجتماعی نظم کی تشکیل امت کے لئے سبب خیر وبرکت ہے زعم خودی اور پندار انفرادیت کے استیصال کے لئے بھی ضروری ہے کہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ بھائی برادری کا تعلق رکھیں تاکہ جب کسی مشترک مسئلہ پر غور کرنے کا موقع آئے تو ہر فرد مساویانہ حیثیت سے اس مسئلہ سے متعلق ہو اور پھر برابر سے دلچسپی لے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اتحاد واجتماع کے مقابلے میں فرد کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو ہمیشہ نظرانداز کیا ہے البتہ یہ شرط ہمیشہ رکھی ہے کہ وہ اتحاد واجتماع میں حق وانصاف کے اصول پر قائم ہو باطل کے تشدد وتظلم سے پاک ہو۔ اسلام جو ایک ہمہ گیر برادری کا علمبردار ہو کر آیا ہے اسے ہر اس تحریک واقدام سے بیزاری ہے جو فرد کو نوع سے بیگانہ اور شخص کو ملت سے بے تعلق بنادے۔

پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ میں اخوت اسلامی کی تشکیل کے دو واقعہ ایسے ملتے ہیں جو اس کی اہمیت پر کافی تیز روشنی ڈالتے ہیں ایک قبل ہجرت مکہ میں

دوسرا بعد ہجرت مدینہ میں۔ اگر اسلام کے ابتدائی دور میں صرف ایک ہی قسم پر یہ عمل کیا گیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ ایک وقتی اور ہنگامی ضرورت رہی ہوگی۔ تھوڑے سے لوگ تھے ان میں ہم خیالی اور یک جہتی پیدا کرنے کیلئے ایسا کیا گیا تھا مگر بعد ہجرت مدینہ میں پھر اس کا اعادہ بتاتا ہے کہ یہ وقتی اور ضمنی عمل نہیں تھا بلکہ روح اسلامی کی حقیقت اس میں مضمر تھی۔ تعلیمات اسلامی کی بنیاد اسی جذبہ پر قائم ہونے والی تھی غرض کہ اوائل اسلام میں جب کفار قریش کے مظالم سے مٹھی بھر مسلمانوں میں تاب مقاومت ختم ہونے لگی تو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی لیکن پہلے دو دو مہاجرین میں ان کی افتاد طبیعت اور یکرنگی فطرت کا لحاظ فرماتے ہوئے برادرانہ رشتہ قرار دیا۔ حضرت ابوبکر کا بھائی حضرت عمر کو، حضرت حمزہ کا بھائی حضرت زید بن حارث کو، حضرت عثمان کا بھائی عبدالرحمان بن عوف کو، زبیر بن العوام کا بھائی ابن مسعود کو، عبیدہ بن الحارث کا بھائی حضرت بلال کو، مصعب بن عمیر کا بھائی سعد بن ابی وقاص کو، ابو عبیدہ کا سالم کو، سعید بن زید کا طلحہ بن عبیداللہ کو اور اپنی اخوت کا شرف اپنے ابن عم اپنے بھائی علی ابن ابی طالب کو عطا فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

یہ اسلام کا نقطۂ آغاز ہے جب اخوت و محبت کی تخم ریزی یوں دست پیغمبر سے ہو رہی تھی یہ اس بات کا اعلان ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کیونکہ یہی ایک رشتہ ایسا ہے جس میں عقلی، علمی اور عملی ہر حیثیت سے حقوق و فرائض میں مساوات پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اور جتنے رشتے ہیں وہ یا تو کثیر حقوق اور زیادہ فرائض کے طلب گار ہیں یا کثیر

حقوق اور کم فرائض پر قانع ہیں مثلاً باپ بیٹے کا رشتہ، چچا بھتیجے کا رشتہ، ماموں بھانجے کا رشتہ۔ ان میں ہرگز وہ برابری نہیں، ہرگز وہ تاثرات نہیں ایک بڑا ہے تو دوسرا چھوٹا۔ ایک باپ ہے تو دوسرا اس کا بیٹا اب حقوق بھی الگ الگ قائم ہوں گے اور فرائض بھی جدا جدا معین ہوں گے اور پھر ان میں ایک قسم کا فطری تفوق و ترجیح، ایک قسم کا رکھ رکھاؤ اور تکلف ضرور نمایاں رہے گا لیکن بھائی کا صرف ایک ایسا رشتہ ہے جو طرفین کے حقوق کو برابر قرار دیتا ہے اور فرائض میں بھی یکسانیت پیدا کرتا ہے۔ اگر احمد محمود کا بھائی ہے تو محمود بھی احمد کا بھائی ہے اسی برادرانہ احساس کو جسے ہم اسلام کا نظام "اخوت" کہہ سکتے ہیں پیغمبرؐ مٹھی بھر مسلمانوں کے اندر پیدا کر کے اسلام کے بڑھتے ہوئے ہمہ گیر دائرہ کی وسعت میں اس طرح سمو دینا چاہتے تھے کہ جیسے جیسے یہ دائرہ بڑھتا جائے بھائی چارہ کا احساس بھی پھیلتا چلا جائے جب کبھی اور جہاں کہیں ایک مسلمان آفات ارضی و سماوی کا شکار ہو تو دوسرے مسلمان اس طرح تڑپ اُٹھیں کہ گویا وہ خود ان حادثات سے دوچار ہیں۔ ایک کی تکلیف دوسرے کی اذیت کا باعث ہو اور ایک کی خوشی دوسرے کی مسرت کا سبب ہو۔

یہ تھا اسلام کا برادرانہ نظام اور سب سے زیادہ ہم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی، سب سے زیادہ ہم اس کے مستحق ہوتے تھے کہ اسے قبول کریں، اس کی تعمیل کریں اور دوسرے لوگوں اور جماعتوں کے لئے ایک مثال بنیں۔ مگر حیف کہ ہمیں سب سے زیادہ اس کی نعمتوں سے اور برکتوں سے محروم ہو گئے

اختلاف و اختلال ہماری زندگی کے نمایاں پہلو بن گئے۔ شر اور فساد میں ہم کو دلچسپی ہونے لگی۔ جو جتنا ہم سے قریب ہے اس کے لیے ہم اتنا ہی زبردست عقرب ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان تباہ ہماری جماعتیں پراگندہ، ہمارے افراد پریشان، ہماری بستیاں ویران، ہمارے دل سنسان ہماری پوری زندگی پر موت کی اُداسی چھائی ہوئی ہے اب ہم مشکلات میں کیا مسکرائیں گے جب آسانیوں میں بھی مُنہ پر ہوائیاں اڑا کرتی ہیں۔

حضرات خود اندازہ فرمائیے کہ جس گاؤں، شہر یا بستی میں بھی ہمارے دو گھر ہوتے ہیں وہاں کبھی نہ ختم ہونے والی کیسی نامعقول جنگ چھڑی رہتی ہے اور سب سے زیادہ بدنصیبی کی بات تو یہ ہے کہ چاہیے اور معاملات میں تعلقات بھی برتے جائیں۔ ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی گوارا کر لیا جائے مگر عزاداری سیدِ مظلوم کے معاملے میں اتنا ہی شدید مخالفت کہ عظمتہ للہ اخون دل روتے کو جی چاہتا ہے کاش ہماری ملت بھی سمجھتی کہ رونے والوں کو پھر کسی اور بات سے کیا واسطہ۔

برادران عزیز! اب بھی چونکیے! افلاس و ادبار کا شمس نصف النہار اب تو ہمارے سروں پر پوری شدت سے چمک رہا ہے اب یہ گراں خوابی کب تک؟ اٹھیے روٹھے ہوؤں کو سینے سے لگائیے۔ اتحاد و اتفاق کا درس فرداً فرداً پڑھیے اور پڑھائیے پیغمبرؐ اسلام کے خواب تعمیر ملت کو اب زیادہ پریشان نہ ہونے دیجئے یہ ایسا ضروری پیغام تھا۔ یہ ایسا صالح نظام تھا کہ خدا کے حبیب نے ہجرت کے فوراً ہی بعد مدینے میں پہونچتے ہی پھر مسلمانوں کے درمیان

صیغۂ مواخات جاری فرمایا تاکہ ایک مرتبہ کی بات اگر مسلمانوں کے ذہن سے نکل جائے تو یہ دوسری یاد دہانی پھر انھیں تنبیہہ کر دے وہ شراب اخوت سے سرشار ہو کر تعلیمات اسلامی کا حیات بخش جام زندگی کے پیاسوں کو پلاتے رہیں آج دنیا اسی بھائی چارے اور اخوت والفت کے لئے تڑپ رہی ہے مگر خود غرضی و بے حسی اور فقدان، ایثار وقربانی نے اسے اس حد تک محروم ومایوس کر دیا ہے کہ اب جب تک یہ دنیا زیر رایت اسلامی نہ آجائے گی جب تک اسلام کی غیر فانی نعمتوں کو تسلیم نہ کرلے گی، جب تک ایک ملک کے رہنے والے دوسرے ملک کے لوگوں کو اپنا بھائی نہ سمجھنے لگیں گے، جب تک روس، امریکہ کے خود پسندانہ رویہ میں تبدیلی نہ ہوگی اور ان کی انسانیت پوری انسانی برادری کو ایک وحدت تسلیم نہ کرے گی اس وقت تک ایٹم اور نکلیر وینس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہے گا اور یہ خطرہ کبھی کم نہ ہوگا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔

پیغامات اسلامی کی ابدیت سے انکار کرنے والے لاکھ انکار کریں مگر یہ ایک دعوت اخوت ہی ایسی ہے جو ہمیشہ کے لئے رحمت ورافت کا ایک حیات آفریں پیغام ہے اور رب العالمین کی جانب سے ہراساں وپریشاں انسانوں کے واسطے ایک لازوال انعام ہے۔

خدا کا حبیب جب مدینہ پہونچا اب یہاں اسلام کی برادری دو حیثیتوں پہ تقسیم تھی ایک مہاجر دوسرے انصار۔ اس لفظی بعد اور خیالی دوری کو مٹانے کے لئے ابوالفدا لکھتا ہے کہ حضرت نے مہاجرین وانصار کے درمیان پھر دو دو آدمیوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت ابوبکر کا خارجہ زید انصاری کو۔ ابوعبیدہ ابن الجراح کو سعد

بن معاذ انصاری کا حضرت عمر کو عتبان بن مالک انصاری کا، عبدالرحمان بن عوف کا سعد بن ربیع انصاری کو، حضرت عثمان کو اوس بن ثابت انصاری کا، طلحہ بن عبید اللہ کو کعب بن انصاری کا اور سعید بن زید کو ابی بن کعب انصاری کا۔

علامہ سمہودی خلاصتہ الوفا میں لکھتے ہیں کہ پھر پیغمبر عالی مقام نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ سرکار دوعالم نے جس طرح مکہ میں رشتۂ اخوت قائم کیا تھا مدینہ میں بھی اس کا اعادہ فرمایا اور دونوں موقعوں پر حضرت علیؑ کے لئے فرمایا تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا رشتۂ اخوت حالات کے بدلنے سے بدل سکتا تھا مگر جو مکہ میں رسولؐ کا بھائی تھا وہی مدینہ میں بھی رہا۔ مزاج نبوت پر غیر معصوم کو اپنا بھائی قرار دینا بار تھا اور اسی وجہ سے یہ بھی فرما دیا کہ یہ میرا وہ بھائی ہے جس کی اخوت حیات دنیا کی انتہا پر ختم ہونے والی نہیں بلکہ آخرت کی لامحدود وسعتوں میں بھی یہ رشتہ برقرار رہے گا جب کہ وہاں سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے یعنی حضرت نے اس اعلان اخوت کو حدود زمان و مکان کی قید سے بھی آزاد رکھا اب علیؑ کی اخوت عناں گیر ابدیت ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

کیا کہنا اس بھائی کا جس نے ہر ہر موقع پہ بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا اب علیؑ کون ہیں۔ دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام کرنے والا ہجرت کی شب فرش پیغمبرؐ پر کھینچی ہوئی تلواروں میں آرام کرنے والا۔ بدر و احد و خیبر و خندق میں کارنمایاں

کرنے والا، کفار قریش کے مجمع میں تنہا سورہ برات لے جا کر سنانے والا حدیبیہ میں صلحنامہ کی کتابت کرنے والا، فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ سے بتوں کو نکالنے والا غزوہ تبوک کے موقع پر مثیل ہارون بننے والا، میدان مباہلہ میں نفس پیغمبر ہونیوالا۔ غدیر خم میں نبیؐ کے ہاتھوں پر بلند ہونیوالا مومنین کا مولا بننے والا۔ من کنت مولا فھذا علیٌ مولا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ محمد۔

تاریخ اسلام میں حیات کا کوئی ایسا دن نہیں ملتا جب علیؑ پیغمبرؐ سے جدا نظر آتے ہوں۔ یہی ہر موقع پر ساتھ دینے والا، سفر و حضر ہر جگہ حضور رسالت میں حاضر رہتے اب حجۃ الوداع کے بعد اللہ کا رسولؐ مرض الموت میں مبتلا ہے، آخری وقت ہے رسولؐ اللہ کا سر آغوش علیؑ میں ہے فرماتے ہیں کہ بھیا جب دیکھنا کہ لوگوں نے دُنیا کو اختیار کیا ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا یہ کہتے کہتے روح حبیبؐ بارگاہ محبوب میں پہونچی، گھر میں کہرام مچ گیا۔ بیٹی نوحہ و بکا میں مصروف ہے۔ نواسے گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ علیؑ نے غسل دیا کفن پہنایا اور اپنے ہی ہاتھوں سے قبر میں آتارا۔ کیا کہنا قوت بازو کا بھائیؐ کی رفاقت کا یونہی حق ادا کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایک بھائی اور ملتا ہے جس نے اپنے دست و بازو ہی اپنے بھائی پر نثار کر دیے۔ عاشور کا دن ہے صبح سے شام ہونے کو آرہی ہے ایک ایک مجاہد حق وفا ادا کر رہا ہے مگر جب وفاؤں کا آقا اذن جنگ طلب کرتا ہے۔ جب عباس طالب رخصت ہوتے ہیں تو امام فرماتے ہیں بھیا! تم تو علمبردار لشکر ہو، علم کی زینت ہو، بہنوں کا سہارا اور میرے دل کی طاقت ہو۔ عباسؑ پھر خاموش ہو جاتے ہیں وفا کے تقاضے بار بار تڑپاتے

ہیں۔ شوق شہادت کی حرارت کو تیز کرتے ہیں مگر حکم امام کے محبت آمیز چھینٹے
اسے سرد بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک ایسا بھی وقت آ گیا کہ بس امام ہیں
اور بس عباسؑ! حاضر ہوئے اور سلام رخصت کیا۔ امام نے فرمایا کہ عباسؑ تم
تو علمبردار لشکر ہو اب عباسؑ کی طاقت دل نے جواب دے دیا۔ اب ضبط نہ
ہو سکا عرض کیا۔ مولیٰ یہ صحیح ہے مَیں علمدار لشکر ہوں مگر آقا! اب وہ لشکر
کہاں ہے جس کا مَیں علمدار تھا یہ سُننا تھا کہ کارزار شہادت کے سب مرقعے
حسینؑ کے سامنے آ گئے آنسو امنڈ نے لگے سر جُھکا لیا کہا، اچھا بھیا جاؤ خُدا
حافظ مگر اپنی پیاری بھتیجی سکینہؑ کے لئے پانی کی کوئی سبیل کرنا اب عباسؑ
ابن علیؑ لشکر حسینی کا علمبردار اہلبیتؑ رسُول کا سقہ مشک سکینہؑ دوش پر رکھے
ایک ہاتھ میں اسلام کا علم دوسرے ہاتھ میں شمشیر آبدار مجاہدانہ شان وشکوہ اور
سرفروشانہ عزم وارادے کے ساتھ گھوڑے پر سوار نہر کا رُخ کئے میدان
میں آئے۔ دشمن کی فوجوں میں تلاطم ہو گیا کہ عباسؑ، حسینؑ کا قوت بازو، علیؑ
کا شیر اسلام کا سپاہی، پیاسوں کا سقہ آ رہا ہے۔ فوجیں منظم ہو ہو کر صف بستہ ہو
رہی ہیں شیر کا رُخ کچھار کی طرف دیکھتے ہی آہن پوش رسالے گھاٹ پر مسلط
ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساحل اور عباسؑ کے درمیان لوہے کی دیواریں
حائل ہیں مگر تاریخ انسانیت میں جرأت ودلیری کا یہ واقعہ کبھی بھلایا نہیں
جا سکتا کہ ہزار ہا ہزار دُشمن ایک مرد مجاہد کو روکنا چاہتے ہیں۔ عباسؑ کے شیرانہ
حملے نے ان کی صفیں توڑ دیں، اُنھیں منتشر کر دیا اور ساحل سے اتنی دُور ہٹا دیا
کہ اطمینان سے نہر میں گھوڑا ڈالا۔ سُوکھی ہوئی مشک سطح آب پہ رکھ کر تر کی،

پھر پانی بھرا پیاسے نے چلو میں پانی لیا اور پھر حقارت سے پھینک دیا ہائے اس وقت عباسؑ کو کس کس کی پیاس نہ یاد آئی ہو گی۔ صبح سے ارباب کارداں کی پیاس خصوصاً دہ شبیہ پیغمبرؐ کا امام سے سوال آب اس نے تو وفادار کا دل ہی تڑپا دیا ہوگا پھر بیبیوں کی پیاس، بچوں کی پیاس، سکینہؑ اور جھولے میں دم توڑتے ہوئے نیم جاں اصغرؑ کی پیاس، امام وقت کی پیاس جس کی نگاہ میں شدت عطش کے باعث مابین زمین و آسمان بس دھواں ہی دھواں تھا۔

عباسؑ نے پانی پھینک دیا۔ بھری ہوئی مشک دوش پر رکھی، پیاسے ہی دریا سے نکل آئے، وفادار کے وفا شعار گھوڑے نے بھی لب تر نہ کئے اب اس عرصہ میں بھاگی ہوئی فوج ندامت شکست اور غم و غصے میں ڈوبی ہوئی پھر صف آسا ہو گئی اب ہر ایک کی یہ کوشش ہے کہ عباسؑ نکل کے جانے نہ پائیں پانی پیاسوں تک پہنچنے نہ پائے۔ ہر طرف سے وار ہو رہے ہیں، تیروں کی بارش ہے، نیزوں کی لچک تلواروں کی چمک، ایسے طوفان تلاطم میں ایک شیر ہے جو گرج رہا ہے۔ عباس انتہائی جوش و خروش کیساتھ جنگ فرما رہے ہیں علم کا پھریرا ہوا میں اڑ رہا ہے جدھر جدھر علم گردش کرتا ہے امام کی نظریں ادھر ادھر گھومتی ہیں علم قریب ہو رہا ہے مولا کے چہرے پر طمانیت کے آثار پیدا ہیں بچے بھی آس لگائے خاموش کھڑے ہیں۔ دفعتہً علم جھکا امام کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا ہاتھوں سے دل پکڑ لیا مگر فوراً ہی علم پھر بلند ہو گیا مولا نے شکر خدا کیا ٹوٹی ہوئی امیدیں پھر قائم ہو گئیں اب سب کی نظریں علم پر جمی ہوئی ہیں کہ اسی اثناء میں علم دوبارہ سرنگوں ہوا لیکن اب جھکا تو پھر

بلند نہ ہوا۔ کنار ساحل سے شیر کی آواز گونجی بھائی میری خبر لیجئے حسینؑ نے دونوں ہاتھوں سے کمر پکڑلی اور فرمایا اس ان کسرت ظھری وقلت حیلتی (بھیا تیرے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارۂ وتدبیر مفقود ہو گئی۔)

دنیائے احساس وشعور کی روح اگر کہیں سے مل جائے تو شاید کچھ اندازہ کیا جاسکے کہ اس وقت قلب حسینی کی کیا حالت ہوئی ہوگی مرثیہ پڑھتے ہوئے لاش عباسؑ پر پہونچے دیکھا آخری ہچکیاں آرہی ہیں، بھائی نے بھائی کا سرآغوش میں لے لیا۔ سر شگافتہ سے خون مثل پرنالہ بہہ رہا تھا حسینؑ نقش وفا کو یوں مٹتے دیکھ کر بیقرار ہوگئے بھائی کی لاش سے اٹھے اور تلوار لے کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے فرمار ہے تھے بھاگنے کہاں ہو۔ تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بازو کو توشکستہ کر دیا۔ ہائے کیا منظر حسرت واندوہ تھا ابھی کچھ پہلے عباسؑ مشک وعلم لے کر خیمہ سے میدان میں گئے تھے مشک وعلم لے کر اب سید مظلوم واپس آرہے ہیں۔ اب علمدار کہاں ساحل پر موجیں اور خیمے میں بیبیاں سر پٹک رہی ہیں اور حسینؑ جہاد آخری کی تیاری کر رہے ہیں۔

مجلس نہم

ذِکرِ علیٌ عِبادَہ

(حدیث پیغمبرؐ)

(از عالیجناب مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمْ ۔ ذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ

انسان کا یہ دستور سا بن گیا ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی بات پیش کی جاتی ہے تو وہ یہ معلوم کرنے کی سعی و کوشش کرتا ہے کہ یہ بات کس نے کہی ہے اگر وہ بات کسی ایسے انسان نے کہی ہو۔ جس کے پاس تاج و تخت ہے جس کے پاس مال و متاع ہے جس کے پاس عہدہ و منصب ہے، جو جاہ و جلال کا مالک ہے جس کے پاس دولت و ثروت ہے جس کے پاس اختیار و اقتدار ہے تو اس کی بات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے لیکن اگر وہی بات کوئی ایسا انسان کہہ رہا ہو جس کے پاس دنیاوی عہدہ و منصب طبل و علم، حشم و خدم ملک و مال تاج و تخت نہ ہو تو اس بات کو وقعت نہیں دی جاتی مگر مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ اس بات کا جائزہ لو کہ کیا کہا جا رہا ہے مگر قطع نظر اس اصول کے اگر ہم اس حیثیت سے بھی

دیکھیں کہ جو بات میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہے اس کا کہنے والا کون ہے تو یاد رکھیے یہ اس نبیؐ کا فرمان ہے جو دنیا میں جتنے انبیا تشریف لائے دنیا میں جتنے مرسلین آئے نیز دنیا میں جتنے پرچم توحید کے بلند کرنے والے آئے جس رسولؐ کا عز و وقار اور جس پیغمبرؐ کا عہدہ و مرتبہ تمام انبیاء و مرسلین پر فوقیت و برتری رکھتا ہے اور صرف اس قدر ہی نہیں کہ رسولؐ اللہ محض تمام انبیا و رسل کے صفات و کمالات کے جامع ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اگر آپ ممتاز انبیاء کرام کے ان محاسن و محامد نیز معجزات و مناقب کو جن کے لئے وہ دنیا میں مشہور ہوئے کسی ایک ذات میں مجتمع دیکھنے چاہیں گے تو وہ سرورِ کائنات کی ذات گرامی ہو گی جس میں آدمؑ کا علم بھی نظر آئے گا موسیٰؑ کی ہیبت بھی ابراہیمؑ کی خلّت بھی نظر آئے گی عیسیٰؑ کا زہد بھی۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے جناب خبیر لکھنوی مرحوم کے وہ دو بند یاد آرہے ہیں جن میں انھوں نے پیغمبر اسلام میں انبیائے ماسبق کے فضائل و مناقب کے جمع ہونے کو نہایت خوبصورت پیرائے میں شعری قالب میں ڈھالا ہے ؎

چہرہ ہے آئینۂ خلق جناب آدمؑ — صورت شیثؑ ہے عرفان کا دل میں عالم
رتبۂ خلت کا ملا مثل خلیلؑ اکرم — نوحؑ کی طرح شجاعت میں کسی سے نہیں کم

صبر ایوبؑ ملا ہیبت موسیٰؑ پائی
مثل اسحاقؑ رضا حق کی سراپا پائی

بخدا حضرت صالحؑ کی فصاحت بھی ملی — اسے یعقوبؑ پیمبرؑ کی بشارت بھی ملی
حضرت لوطؑ کی حکمت بھی فراست بھی ملی — سب سے بڑھ کر سند بخشش امت بھی ملی

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بہر حال رسول اللہؐ کے صفات و کمالات کا ذکر کہاں تک کیا جائے کیونکہ رسول اللہؐ کی زندگی ایک نہایت ہمہ گیر اور آفاقی زندگی ہے۔ اگر رسول اللہؐ کی حیات طیبہ محض ایک نوعیت و حیثیت سے عامۃ الناس کے سامنے آئی ہوتی تو اس حیثیت کا تذکرہ کر دیا جاتا اور سیرت نبیؐ کا بیان ختم ہو جاتا لیکن رسول اللہؐ کی زندگی اتنی حیثیتوں سے ہمارے سامنے آتی ہے کہ اگر محض ان حیثیتوں ہی کا تذکرہ کیا جائے جن سے رسول اللہؐ نے اپنی زندگی پیش کی ہے تو ان حیثیتوں کے بیان کرنے کے لئے گھنٹوں درکار ہیں۔ کیوں کہ رسالتمآبؐ کی زندگی محض ایک رسولؐ اور پیغمبرؐ ہی کی زندگی نہیں بلکہ رسولؐ اللہ کی زندگی،

ایک جج کی زندگی بھی ہے۔
ایک مقنن کی زندگی بھی ہے۔
ایک معمار معاشرہ کی زندگی بھی ہے۔
ایک نئی تہذیب، نئے تمدن، اور نئی جماعت سے دُنیا کو روشناس کرنے والے کی زندگی بھی ہے۔
ایک سپہ سالار کی زندگی بھی ہے۔
ایک کشور کشا کی زندگی بھی ہے۔
ایک فاتح و حکمراں کی زندگی بھی ہے۔
ایک مزدور کی زندگی بھی ہے۔

ایک فاقہ کش کی زندگی بھی ہے۔

کتنی زندگیاں ہیں جو زندگیٔ رسولؐ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ پھر مختصر وقت میں سیرت رسولؐ بیان کی جائے تو کیونکر۔ یہ بات بھی میں اپنی جانب سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یہی بات سیرت رسولؐ کی ہمہ گیری سے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے علی ابن ابی طالبؑ! کمالات رسولؐ بیان کیجیے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے اپنے مقام پر سوچا کہ اگر رسولؐ میں محض چند اوصاف و خصوصیات ہوتے تو ان کا بیان کر دیا جاتا مگر پیغمبر اسلام تو صفات و کمالات کے جامع تھے لہٰذا ان کے محامد و محاسن کس طرح بیان کئے جائیں لہٰذا علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فضائل رسولؐ کے تذکرہ کرنے کا ایک نیا انداز اختیار فرمایا۔ آپ نے سائل سے دریافت کیا کہ دنیا میں کون کون سی چیزیں پائی جاتی ہیں، سائل نے کائنات عالم کا جائزہ لینا شروع کیا بے شمار اور لاتعداد چیزیں ابھر کر اس کی نگاہوں کے سامنے آنے لگیں۔ وہ شخص متحیر ہو کر حضرت علیؑ سے کہتا ہے۔ اے علی ابن ابی طالبؑ! دنیا میں اس کثرت سے چیزیں پائی جاتی ہیں کہ میں ان کے نام نہیں شمار کرا سکتا۔ بس اسی بات سے علی ابن ابی طالب نے فضیلت پیغمبرؐ کا گوشہ پیدا کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلاقِ کائنات قرآن مجید میں دنیا کی چیزوں کو قلیل کہہ رہا ہے جب تم قلیل کا احاطہ نہ کر سکے تو میں اس پیغمبرؐ کے اخلاق کو کیوں کر بیان کر سکتا ہوں جس کے اخلاق کو خالق کائنات

عظیم کہہ رہا ہو۔ وَ اِنّكَ علىٰ خلقٍ عظیم ٥

رسولؐ کے جملہ محاسن اپنی جگہ پر تمام کمالات اپنے مقام پر مگر سرورِ کائناتؐ کا یہ وصفِ خصوصی اپنے مقام پر ایک امتیازِ خاص کا مالک ہے کہ ہمارا نبی وہ جلیل القدر مرسل ہے جس کے قول پر بھی نصِ قرآنی ہے اور جس کے عمل پر بھی نصِ قرآنی جس کے عمل کے لئے ارشادِ ربّانی ہو رہا ہے۔ قُل انا صلواتی و نسکی و محیای و مماتی اللہ رب العالمین۔

اے رسول کہہ دیجئے میری نماز، میری جملہ عبادتیں، میری پوری زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے۔ قرآن کریم نے سیرت النبیؐ کو اس عنوان سے پیش کیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کی محض نماز ہی اللہ کے لئے نہیں محض تمام مناسک ہی اللہ کے لئے نہیں صرف مکمل حیاتِ طیبہ ہی اللہ کے لئے نہیں بلکہ موت بھی اللہ کے لئے ہے۔ یہ قرآن نے خاص طور پر مرگِ پیغمبرؐ کو اللہ کے لئے کیوں کہا تاکہ مسلمان اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ جس پیغمبرؐ کی موت تک اللہ کے لئے ہو گی وہ بسترِ مرگ سے کوئی ایسا پیغام اُمّت کو نہیں پہونچا سکتا جسے معاذاللہ ہذیان سے تعبیر کیا جاسکے۔ پھر قرآنی آیت کے تیور ملاحظہ ہوں۔ قرآن کی آیت محض یہی نہیں کہہ رہی ہے کہ رسولؐ تمہاری نماز اور جملہ عبادتیں ہی اللہ کے لئے ہیں بلکہ خاتم المرسلینؐ کی پوری زندگی اللہ کے لئے ہے تو اب پیغمبرؐ جو عمل کریں گے وہ اللہ کے لئے ہوگا اگر کسی کی تعظیم کے لئے ایستادہ ہوں تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ اگر کسی کو دوش پر سوار کریں تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے، اگر کسی کے لئے ناقہ بن جائیں تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ محض رسولؐ کے عمل پر نصِ قرآنی ہو بلکہ رسولؐ کے قول
کی ذمہ داری بھی خلاق کائنات نے یہ کہہ کر اپنے متعلق کر لی کہ ہمارا رسولؐ نفسانی
خواہشات سے کچھ نہیں کہتا وہ تو محض وہی کہتا ہے جو اللہ کی وحی ہوتی ہے۔
سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ رسولؐ کی رسالت پر ہمارا ایمان و عقیدہ ہے
اور ہم یہ سمجھتے بھی ہیں کہ رسول حکم خدا کا تابع ہے تو پھر ہم سے یہ بات کیوں کہی
جا رہی ہے کہ رسولؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے اور وہ تو محض وہی پیغام
امت تک پہنچاتے ہیں جو اللہ کا ارشاد ہوتا ہے۔ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رسولؐ
نے کچھ شخصیتوں کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ حضرت علیؑ کی تعریف و توصیف کی
جو آپ کے ابن عم، داماد اور آغوش کے پروردہ تھے۔ جناب فاطمہ زہراؑ کی
مدح بیان فرمائی جو آپ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرات حسنین علیہم السلام کے
فضائل و مناقب بیان کئے جو آپ کے نواسے، میوۂ دل اور خنکی چشم تھے۔ تو
دنیا یہ بات کہہ سکتی تھی اور آج کچھ دشمن رسولؐ کہتے بھی ہیں کہ رسولؐ نے حضرت
علی علیہ السلام کی جو مدح سرائی فرمائی وہ اس لئے کہ وہ ان کے بھائی، داماد اور
پروردہ آغوش تھے جناب صدیقہ، طاہرہؑ کی جو فضیلتیں بیان کیں وہ اس لئے
کہ وہ ان کی صاحبزادی تھیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی جو تعریف فرمائی وہ
اس لئے کہ یہ حضرات ان کے نواسے تھے تو قرآن کی آیت پڑھ کر ٹوکے گی
کہ رسولؐ اپنی جانب سے کچھ نہیں کہتا۔ رسولؐ قرابت داری، رشتے داری
اور نفسانی خواہشات کی بنا پر کچھ نہیں ارشاد فرماتے بلکہ وہ تو وہی فرماتے
ہیں جو حکم الٰہی ہوتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ رسولؐ نے اہلبیتؑ کی شان میں جو

احادیث ارشاد فرمائی ہیں وہ اس لئے نہیں کہ یہ حضرات پیغمبرؐ کے قرابتدار تھے بلکہ ان کے لئے ارشاد ربانی یہی تھا اور اہلبیت علیہم السلام میں وہ عظمتیں اور جلالتیں موجود تھیں کہ رسول بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

بہر حال وہی پیغمبرؐ جو اپنی جانب سے کچھ کلام نہیں کرتا حضرت علیؑ کے مرتبہ و وقار سے دنیا کو روشناس و متعارف بناتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ رسول نے تشریح بھی فرما دی کہ علیؑ کا ذکر عبادت کیوں ہے۔ اس لئے کہ علیؑ کا ذکر میرا ذکر ہے اور میرا ذکر اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر عبادت ہے اس لئے علیؑ کا ذکر خیر بھی عبادت ہے۔

یہ کوئی رسمی بات نہیں ہے جو ہماری مجالس و محافل میں بیان کی جاتی ہے بلکہ یہ حقائق ہیں کہ جن کی ترجمانی بار بار کی جاتی ہے اگر میں مسلسل کئی گھنٹے آپ کے سامنے حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہوں اور بیان ختم ہونے کے بعد کوئی شخص آپ سے یہ پوچھے کہ جن علیؑ کا تم تذکرہ خیر سن رہے تھے وہ علیؑ کون تھے تو سچ بتایئے مختصر سا جواب کیا ہوگا۔ یہی نا کہ جانشین پیغمبرؐ تھے محمد مصطفےٰؐ کے وارث تھے، سید المرسلینؐ کے نائب تھے تو ذہن بشری سوچنے پر مجبور ہوگا کہ جب قائم مقام ایسا ہے تو پیغمبرؐ کی شان و عظمت کیا ہوگی علیؑ کے ذریعے ہم نبی تک پہونچے اور جب رسولؐ کی نعت خوانی شروع کی۔ زندگی مرسل کے مختلف پہلو نمایاں کرنا شروع کئے اور ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ جن رسولؐ کے تم کمالات بیان کر رہے ہو وہ محمد کون تھے؟ سچ بتایئے مختصر سا جواب کیا ہوگا یہی نا کہ رسولؐ اللہ تھے، حبیب کبریا تھے اللہ کے فرستادہ

نبی و پیغمبر تھے تو دماغ انسانی سوچے گا کہ جب پیغمبرؐ کی یہ شان ہے۔ رسولؐ کی یہ منزلت ہے تو جس اللہ نے اسے نبیؐ بنا کے دنیا میں بھیجا ہے وہ خالق کن جلالتوں کا مالک ہوگا علیؑ ہی کے در سے ہم خدا تک پہنچتے ہیں بہر حال سلسلے کی یہ کڑیاں ہیں جنہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

متعدد وجوہ ہیں کہ جن کی بنا پر حضرت علیؑ کے تذکرے کو عبادت قرار دیا گیا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ علیؑ کا تذکرہ سننے کے بعد معرفت خلاق کائنات بڑھتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک بندے میں یہ صلاحیت ہے کہ جب وہ آفتاب کی جانب اشارہ کرتا ہے تو وہ اپنے مرکز سے پلٹ آتا ہے۔ جب وہ سنگریزوں کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو سنگریزے تسبیح و تحلیل و تقدیس باری کرتے ہیں۔ جب وہ دیوار کی جانب اشارہ کرتا ہے تو دیوار اپنا رنگ بدلتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب وہ درختوں کی جانب سے گذرتا ہے تو درخت تعظیم کے لئے جھک جاتے ہیں تو ہمارا ذہن و دماغ سوچے گا کہ جب بندے کی یہ شان ہے، جب عبد و مخلوق کی یہ وسعت و بلندی ہے تو خلاق کی عظمتیں کیا ہونگی۔

علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ذکر جمیل اس لئے بھی عبادت قرار دیا گیا ہے کہ ان کا تذکرۂ خیر سننے کے بعد ہم میں عبادتِ خداوندی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے کیونکہ آپ حضرت علیؑ کی ابتدائی زندگی سے لے کر انتہائی زندگی تک نظر ڈال جائیں آپ کو مولائے کائنات کی پوری زندگی عبادت سے مملو نظر آئے گی۔ کبھی آپ یہ دیکھیں گے کہ منبر پر ہیں اور خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں کبھی آپ کو یہ منظر نظر آئے گا کہ میدان جدال و قتال میں کفار و مشرکین و

منافقین سے مصروفِ جہاد ہیں۔ کبھی آپ یہ دیکھیں گے کہ فریضۂ نماز کی ادائی فرما رہے ہیں۔ کبھی آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جناب میثم تمار کی دوکان پر بیٹھے ہوئے خرمے فروخت فرما رہے ہیں، کبھی یہ نظر آئے گا کہ یہودی کے باغ میں سینچائی کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی شخص یہ سوچنے لگا ہو کہ نماز پڑھنا یا پڑھانا یہ تو عبادت ہے منبر پہ جا کر خطبہ ارشاد فرمانا یہ بھی عبادت ہے، کفار و مشرکین سے برسرِ پیکار ہونا یہ بھی عبادت ہے لیکن میثم تمار کی دوکان پر بیٹھ کر خرمے فروخت کرنا اور یہودی کے باغ میں سینچائی کرنا عبادت کیوں کر ہو گیا۔ تو اس مقام پر میں ایک بات یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ دنیا کے دیگر مذاہب ہوں گے کہ جن کے نزدیک عبادت محض اللہ کے حضور میں عرض داشتیں ہی پیش کرنے کا نام ہے لیکن اسلام وہ جامع و مکمل مذہب ہے جس نے محض عقبیٰ سنوارنے کی تعلیم ہمیں نہیں دی بلکہ ہمیں دنیا میں بہترین زندگی گذارنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اسی لئے سرورِ کائناتؐ نے واضح الفاظ میں یہ ارشاد فرما دیا کہ وہ میرا امتی ہرگز نہیں ہے جو دین کو دنیا کے لئے ترک کر دے اور میرا امتی وہ بھی نہیں ہے جو دنیا کو دین کیلئے چھوڑ دے غرض و غایت یہ ظاہر کیا ہے کہ میرا اُمتی وہ ہے جو درمیانی راستہ اختیار کرے کہ اسے عقبیٰ بنانے کی بھی فکر ہو اور دنیا میں بہتر زندگی گزارنے کا بھی خیال ہو۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عبادت بہتر حصوں پر مشتمل ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کی پرورش کیلئے جائز ذرائع سے رزق حاصل کرے اور امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے مزید تشریح کے طور پر یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ انسان جب فکرِ معاش کر رہا ہوتا ہے تو اس کے جسم سے جو پسینہ جاری ہوتا ہے وہ

ایسا ہے جیسا کہ کوئی مجاہد راہ خدا میں تلواریں کھا رہا ہو اور اس کے جسم سے خون جاری ہو۔ اللہ اللہ یہ ہے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کہ اس میں مجاہد راہ خدا کا خون اور کسب حلال کرنے والے کا پسینہ مساوی قرار دیا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رکھیئے کہ اسلام کے ہادیوں اور رہبروں اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور سربراہوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ دیگر مذاہب کے بانیوں اور علمبرداروں نے محض اقوال وارشادات کے ذریعہ تعلیم دی ہے اس کی عملی نظریں اور عملی مثالیں دنیا کے سامنے نہیں پیش کیں۔ مگر ہمارے مذہب کے رہنما وہ ہیں جنھوں نے محض زبان ہی سے تعلیم نہیں دی بلکہ جو کچھ زبان سے کہا اسے پیکر عمل میں ڈھال کر بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے سامنے عملی نمونہ تو تھا نہیں اس لئے ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ اس حکم کو جامۂ عمل کیوں کر پہنائیں۔ چنانچہ اسی فکر معاش کے سلسلے میں ایک واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام علیل ہیں۔ دو صحابیوں پر تکیہ کئے ہوئے فکرِ معاش کے لئے جا رہے ہیں۔ ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام نے ترکِ دنیا کی تعلیم دی ہے اور رہبانیت کا سبق پڑھایا ہے سامنے آتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ یا ابن رسول اللہ! آپ بیمار ہیں مگر اس ہنگام میں بھی آپ کو فکر دنیا ہے کہ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے روزی کمانے کے لئے جا رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ یہ بھی عبادت ہے۔ مگر وہ شخص نہ مانا اور اس نے سوال کیا کہ مولا اگر آپ کو اس عالم میں موت آجائے تو وہ موت کیسی ہو گی تو وہ اشخاص جو یہ کہتے

ہیں کہ :- "RELEGION IS ON OPIOUM" (مذہب ایک افیم ہے) جس میں فکرِ معاش کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ ہمارا پانچواں ہادی یہ کہتا ہوا نظر آرہا ہے کہ اگر میں اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے جائز ذرائع سے روزی حاصل کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوجاؤں تو مجھے شہادت کا مرتبہ و وقار ملے گا۔

حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کیوں نہ عبادت قرار پائے جب کہ قرآن حکیم کی تلاوت عبادت ہے۔ میں اپنے سامعین سے ایک سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کا پڑھنا عبادت کیوں ہے ۔ جواب ملے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو ثواب اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت کے بعد ہمیں اوامر ونواہی اسلام سے آگاہی ہوتی ہے بس جس وجہ سے قرآن کا پڑھنا عبادت ہے اس وجہ سے حضرت علیؑ کا تذکرہ کرنا عبادت ہے۔ قرآن میں دیکھئے جائیے کہ حکم کیا ہے علیؑ کی سیرت میں دیکھتے جائیے کہ ان پر عمل درآمد کس طرح کیا جاتا ہے۔ ایک قول سے تعلیم ہے دوسری عمل کے ذریعے تعلیم - قرآن صرف یہ کہہ کر خاموش ہوجائیگا کہ نماز قائم کرو مگر جب تیروں کی بارش ہورہی ہوگی۔ جب تیزوں کا مینہ برس رہا ہوگا اور جنگ اپنے شباب پر ہوگی علی ابن ابیطالبؑ مصلے بچھا رہے ہونگے قرآن میں محض یہ حکم ملے گا کہ اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دو مگر وہ مولائے کائنات اور خانوادۂ اہلبیتؑ ہوگا جو مسلسل تین دن تک اپنے کھانے کی روٹیاں سائل کو دیتا ہوا نظر آئے گا اور خود پانی سے روزہ افطار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ قرآن یہ کہے گا کہ کفار ومشرکین سے جہاد کرو مگر حضرت علی علیہ السلام شجاعت

وبہادری۔ دلیری و دلاوری، نبرد آزمائی و تیغ زنی کے ایسے مرقعے کھینچیں گے کہ قرآن کو تعریف کرنا پڑے گی کہ وہ تو میدان جنگ میں اس طرح جم جاتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ بہرحال جملہ احکام اسلامی کو اگر آپ مجسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ ذات امیرالمومنین میں جلوہ گر نظر آئیں گے لیکن ایک بات اس مقام پہ کہہ دینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ حضرت علیؑ کا مرتبہ و وقار اس قدر بلند ہی نہیں ہے کہ وہ تمام احکام قرآنی کی بجاآوری کرتے رہے ہوں بلکہ نفس اللہ کی شان تو ہمیں اس سے بھی زیادہ اعلیٰ و ارفع نظر آتی ہے کبھی جو حکم قرآن ہوتا ہے یہ اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی جو ان کا عمل ہوتا ہے وہ قرآن کی آیت بن جاتا ہے۔

نماز کا حکم آیا انھوں نے نمازیں پڑھیں روزے کا حکم آیا انھوں نے روزہ رکھا، حج کا حکم دیا گیا یہ حج کے مناسک بجا لائے اور کبھی ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ چادر کے نیچے آگئے۔ آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ انہوں نے حالت رکوع میں انگوٹھی دی۔ آیۂ انما نازل ہوئی اور انہوں نے کھانے کی روٹیاں سائل کو دیں تو سورۂ دہر نازل ہوا۔

کیوں نہ ہو مولائے کائنات کا ذکر خیر عبادت جب کہ علیؑ وہ ہیں جن کا اٹھنا عبادت، جن کا بیٹھنا عبادت جن کا سونا اور جن کا جاگنا عبادت ایسے الفاظ جب ہم اپنی مجالس و محافل میں استعمال کرتے ہیں تو ایک طبقہ کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس فرقہ کو شاعری کا بڑا ذوق ہے اور ان کا تمام تر سرمایہ شاعری ہی شاعری ہے دیکھئے کیسے الفاظ صرف کر دیئے کہ علیؑ کا کھڑا ہونا، بیٹھنا،

سونا اور جاگنا سب عبادت ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ شاعری نہیں ہو رہی ہے یہ مبالغہ آرائی اور ہوائی قلعہ بندی نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت کا اظہار ہے ہر وہ انسان جس نے تاریخ اسلام پہ طائرانہ نظر بھی ڈالی ہے یہ کہنے پہ مجبور ہے کہ اگر علیؑ اٹھے ہیں تو حفاظت اسلام کے لئے اگر مولا بیٹھے ہیں تو تحفظ اسلام کی خاطر اگر امیرالمومنینؑ جاگے ہیں تو بقائے اسلام کی غرض سے اور علیؑ سوئے ہیں تو رسولؐ کی جان بچانے کے سامان فراہم کرنے کیلئے موقع و محل نہیں ہے کہ اس سلسلے میں دلائل و براہین پیش کئے جائیں کہ علیؑ کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا کیوں عبادت ہے۔ اسوقت تو صرف یہی بات پیش کرونگا کہ علیؑ کا سونا عبادت ہے۔

اگر کسی کو یہ دیکھنا ہے کہ علیؑ کا سونا کیوں عبادت ہے تو واقعاتِ شب ہجرت کا جائزہ لے کہ جب پیغمبرؐ مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی جانب روانہ ہونے والے ہیں۔ رسول نے علیؑ سے فرمایا کہ اے علی ابن ابی طالبؑ! آج کی شب تم میرے بستر پہ آرام کرو تو اس وقت وہ علیؑ جو رسولؐ کے ہر حکم کو جامۂ عمل پہنانے میں ذرا بھی پس و پیش نہ فرماتے تھے یہ دریافت فرماتے ہیں یا رسول اللہ! کیا میرے بستر پہ سو رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی۔ پیغمبرؐ فرماتے ہیں ہاں اے علیؑ! اگر تم آرام کروگے تو یقیناً میری جان کا تحفظ ہو جائے گا۔ میں مولا سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ اے امیرالمومنینؑ! آپ تو سرورِ کائنات کے ہر حکم کو بلا تامل پیکرِ عمل میں ڈھالنے کو اپنے لئے باعث شرف و سعادت سمجھتے تھے آج آپ نے یہ سوال کیوں فرمایا کہ آپ کے بستر پہ سو رہنے سے رسول اللہ کی جان بچے گی یا نہیں۔ شاید امیرالمومنینؑ یہ جواب دیں کہ پیغمبرؐ

کی زبان سے یہ کہلوا کر قیامت تک کے لیئے اس بات کا اعلان کرا دینا چاہتا ہوں کہ علیؑ کا سونا بھی اس شان کا ہوتا ہے کہ نبیؐ کی جان کا تحفظ ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام نے شب ہجرت کے واقعات کو اپنے دامن میں محفوظ کرتے ہوئے دو شخصیتوں کے کردار ہمارے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ایک وہ جو پیغمبرؐ کے بستر پر کھینچی ہوئی تلواروں کے سائے میں نہایت سکون و آرام کے ساتھ سو رہا ہے اور ایک وہ جو رحمت اللعالمین کے ساتھ ہے مگر رو رہا ہے یہ دوسری بات ہے کہ آج ہم نواسہ رسولؐ پر جو گریہ کرتے ہیں وہ بدعت ہے اور خلیفۃ المسلمین نے جو گریہ کیا وہ بدعت نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خلیفۂ اوّل اس لئے گریہ فرما رہے تھے کہ کفار و مشرکین کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ اس غار میں موجود ہیں اور وہ آ کر انہیں تہ تیغ کر دیں بلکہ وہ اس لئے رو رہے تھے کہ کہیں رسولؐ قتل نہ کر دیے جائیں، کہیں رسولؐ ذبح نہ کر دیے جائیں تو معلوم ہوا کہ تصور شہادت رسولؐ پہ آنسو بہا رہے تھے جب تصور شہادت پہ اشک افشانی کی جا سکتی ہے تو بعد شہادت حسینؑ آنسوؤں کا سیلاب کیوں نہ بہایا جائے۔

ادھر علیؑ ابن ابی طالب بستر پیغمبرؐ پہ آرام سے سو رہے ہیں ادھر عرش پہ خالق کائنات ذات علیؑ پر فرشتوں میں فخر و مباہات کرتا نظر آ رہا ہے۔ دو ملائکہ کو منتخب کیا گیا اور ارشاد ربانی ہوا کہ ہم نے ایک کی عمر کو دوسرے پر زیادہ کیا۔ کون ہے جو اپنی عمر کا زیادہ حصہ دوسرے کو دیدے دونوں ملک

یہی کہتے ہیں کہ اے پروردگار! تو ہماری ہی عمر کو طول دے تاکہ ہم زیادہ عرصہ تک تیری تسبیح وتحلیل کرسکیں۔ باری تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھو فرش زمین کی جانب۔ علیؑ عمر میں چھوٹے ہیں محمدؐ عمر میں بڑے ہیں مگر علیؑ نے کس طرح اپنی جان نبیؐ پر نچھاور کر دی ہے بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ شب ہجرت حضرت علیؑ نے ایثار قربانی خلوص وللہیت جاں بازی و سرفروشی کا جو محیر العقول کارنامہ انجام دیا تھا وہ درگاہ باری میں اس قدر پسندیدہ قرار پاتا ہے کہ اللہ چار ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ فرش زمین پہ اور ایک علیؑ کے دائیں جانب ایک بائیں جانب ایک سرہانے اور ایک پائینتی بیٹھ کر رات بھر علیؑ کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتے رہو۔ چاروں ملک آئے اور شب بھر علیؑ کی خدمت میں ہدیہ مبارک باد پیش کرتے رہے۔ اس مقام پر میں ایک سوال کرنا چاہوں کہ ملائکہ کا کام کیا ہوتا ہے۔ ہر شخص جواب دے گا عبادت خداوندی ــــ اب سوچئے اگر علیؑ کا تذکرہ عبادت نہ ہوتا تو خالق کائنات اپنا ذکر چھوڑ کر ملائکہ سے علیؑ کا تذکرہ کرنے کو کیوں کہتا۔

مگر جب ہم لفظ عبادت استعمال کرتے ہیں تو ہمیں کچھ اور عبادت گذار اطاعت شعار متقی و پرہیزگار یاد آجاتے ہیں وہ ہیں حسینؑ کے جاں باز و جاں نثار۔ جنھوں نے ایسے ہنگام میں عبادتیں کیں کہ چشم فلک نے ایسے عالم میں عبادت کرنے والے نہ دیکھے ہونگے یاد کیجئے کربلا کا وہ قیامت خیز ہنگام روز عاشورہ دوپہر کے وقت کربلا کا ریگ زار دھوپ کی شدت، تمازت

آفتاب، لیکن جیسے ہی نمازِ ظہر کا اوّل وقت آتا ہے امام حسینؑ کے ایک صحابی ابو ثمامہ صیداوی آگے بڑھتے ہیں۔ مولا! یہ نمازِ ظہر کا وقت ہے دل چاہتا ہے یہ نماز بھی آپ کے ساتھ بجماعت پڑھ لوں۔ امام فرماتے ہیں۔ ہاں یہی نمازِ ظہر کا اوّل وقت ہے۔ اور انہیں برستے ہوئے تیروں میں حسینؑ اور ان کے اعوان و انصار نمازوں کے لئے ایستادہ ہو جاتے ہیں مگر آج سیدالشہداءؑ آگے نہیں ہیں بلکہ امام کے آگے بھی دو صحابی کھڑے ہوئے ہیں کہ کوئی تیر آئے تو اپنے اُوپر روکیں، کسی تلوار کا وار ہو تو اپنے اوپر لے لیں ۔۔۔ کیا کہنا شمع حسینیت کے پروانوں کا۔ مولا کو نہایت اہتمام سے نماز پڑھوا لی لیکن کہاں تھے نمازِ عصر کے وقت جب مولا ایک ایک صحابی کو پکار رہے تھے عینا عینا حبیب ابن مظاہر عینا عینا مسلم ابن عوسجہ عینا عینا علی اکبرؑ لیکن کوئی نہ تھا جو حسینؑ مظلوم کی نصرت و اعانت کو آتا تمام انصار و اعزا جام شہادت نوش کر چکے تھے اب یہ عالم تھا۔

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت الناس ہے
نہ قاسمؑ نہ علیؑ اکبرؑ ہے نہ عباسؑ ہے

امام مظلومؑ خود فوج جفا کار کے سامنے آئے اپنا تعارف کرایا۔ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں محمد مصطفٰےؐ کا نواسہ ہوں! میں علیؑ مرتضیٰ کا فرزند ہوں میں فاطمہ زہراؑ کا جگر گوشہ ہوں لیکن کیا دنیا والے حسینؑ مظلوم کے مرثیے سے آگاہ ہوئے نہیں نہیں! بلکہ کوئی تیر لگانے لگا کوئی تلوار کا وار کرنے لگا اور جس ملعون کے پاس کچھ نہ تھا وہ جھولی

میں پتھر بھرے ہوئے تھا اسی سے امام مظلوم کو اذیت پہنچا رہا تھا یہاں تک کہ مولا سے گھوڑے پر نہ سنبھلا گیا زمین پر تشریف لائے۔ شمر ملعون نے ایسا غضب کیا کہ مولا کے سر و تن میں جدائی ہو گئی فرات کا پانی نیزوں اچھلنے لگا اور یہ آواز آئی علی قتلل حسینؑ بہ کربلاؑ و علیؑ ذی بحل حسینؑ بکربلاؑ

جناب زینبؑ خیمے میں تھیں کیا دیکھتی ہیں کہ زمین کربلا ہل رہی ہے اور فضائے کربلا میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے بیمار بیٹے کو جگایا اے زین العابدین! کیا غش کے عالم میں ہو۔ دیکھو کیا دنیا میں قیامت آ گئی۔ یہ زمین کربلا کو لرزہ کیوں ہے اور یہ فضا تیرہ و تار کس لئے ہے سید الساجدین نے فرمایا پھوپھی اماں! ذرا پردے کو ہٹائیے گا۔ جناب زینبؑ نے پردے کو ہٹایا۔ سید سجاد نے کیا منظر دیکھا کہ امام کا سر نوک نیزہ پر بلند ہے امام نے فرمایا:۔ السلام علیك یا ابا عبد الله السلام علیك یا ابن رسول الله۔

حسینؑ شہید ہو گئے مگر مصائب و شدائد کا خاتمہ نہ ہوا بلکہ ایک دفتر تکالیف و آلام ہے جس کا آغاز شہادت حسینؑ کے بعد ہوا جب دشمنان دین علی اکبر کے سینے پر برچھی لگا چکے، قاسم کی لاش پامال سم اسپاں کر چکے جب گلوئے بے شیر چھید چکے حسینؑ کا سر کاٹ کر نوک نیزہ پر بلند کر چکے تھے تو اشقیاء متوجہ ہوئے خیام حسینی کی طرف ایک خیمے میں آگ لگائی گئی تو بی بیاں دوسرے خیمے میں چلی گئیں دوسرے خیمے میں آگ لگی تو سیدانیاں تیسرے خیمے میں تشریف لے گئیں یہاں تک کہ ایک ساتھ تمام خیموں میں آگ لگا دی گئی جب ایک ساتھ تمام خیمے جلنے لگے تو جناب زینبؑ نے چھوٹے امام سے پوچھا بیٹا تم امام وقت ہو بتاؤ کہ ہم انہیں

خیموں میں جل کر مر جائیں یا باہر نکلیں امام وقت نے آسمان کی جانب دیکھا اور فرمایا کہ پھوپھی اماں اب پردے کا کون سا وقت ہے خیموں سے باہر نکلئے اس وقت جبرئیل و میکائیل کی شہزادیاں خیمے سے باہر اس طرح آئیں کہ ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے، سروں پر ردائیں بھی نہ تھیں اور ایک منادی آگے آگے ندا دے رہا تھا۔ یہی علیؑ و فاطمہ کی بیٹیاں ہیں جن کو تماشہ دیکھنا ہو دیکھ لے۔

صرف یہی مصیبت نہ تھی کہ در بدر پھرایا جا رہا ہو بلکہ ایسے قید خانوں میں بھی ٹھہرایا گیا جہاں دن کی دھوپ اور رات کی اوس گرتی تھی ان کو اپنے والی وارثوں کا ماتم بھی نہیں کرنے دیا گیا اگر کسی کی آنکھ سے آنسو نکلتا تھا تو اشقیا نوک نیزہ سے اذیت پہنچاتے تھے اور یہ مصائب چند روزہ نہ تھے بلکہ ایک مدت دراز تک اہل حرم کو ان سختیوں اور زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کا اندازہ ایک روایت سے بھی ہوتا ہے کہ جب شام کے وقت اپنے آشیانوں کی جانب جاتے ہوئے جناب سکینہؑ دیکھتی تھیں تو اپنی پھوپھی جناب زینبؑ سے دریافت کرتی تھیں۔ پھوپھی اماں! یہ طائر کہاں جا رہے ہیں؟ جناب زینبؑ فرماتی تھیں بیٹا! طائر اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ جناب سکینہؑ نوحہ پڑھتی تھیں۔ پھوپھی اماں! طائر تو اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں مگر ہمیں اپنے وطن جانا نصیب نہیں ہوتا۔

زیارت جناب امام حسین علیہ السلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى جَدِّكَ وَاَبِيْكَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ وَ
اَخِيْكَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى الْاَئِمَّةِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَبَنِيْكَ۔ اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الدَّمْعَةِ السَّاكِبَةِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ
الْمُصِيْبَةِ الرَّاتِبَةِ۔ فَقُتِلْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ مَقْهُوْرًا وَاَصْبَحَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِكَ مَوْتُوْرًا وَاَصْبَحَ كِتَابُ
اللّٰهِ بِفَقْدِكَ مَهْجُوْرًا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

زیارت جملہ انصار و معصومین علیہم السلام

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَنْصَارِ اللّٰهِ وَخُلَفَائِهٖ ٥ اَلسَّلَامُ عَلٰى اُمَنَاءِ اللّٰهِ
وَاَحِبَّائِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَحَالِّ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ وَمَعَادِنِ حِكْمَةِ اللّٰهِ ٥
وَحَفَظَةِ سِرِّ اللّٰهِ ٥ وَحَمَلَةِ كِتَابِ اللّٰهِ ٥ وَاَوْصِيَاءِ نَبِيِّ اللّٰهِ ٥ وَ
ذُرِّيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ٥ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ
بَرَكَاتُهٗ۔

زیارت جناب امام رضا علیہ السلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا غَرِيْبَ الْغُرَبَاءِ ٥ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا
مُعِيْنَ الضُّعَفَاءِ وَالْفُقَرَاءِ ٥ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

شَمْسُ الشُّمُوْسِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَنِيْسَ النُّفُوْسِ ۝
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْمَدْفُوْنُ بِاَرْضِ طُوْسٍ ۝
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُغِيْثَ الشِّيْعَةِ وَالزُّوَّارِ فِيْ يَوْمِ
الْجَزَاءِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سُلْطَانُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا
عَلِيَّ ابْنِ مُوْسَى الرِّضَا ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ
بَرَكَاتُهٗ۔

زیارت حضرت صاحب العصر عجل اللہ فرجہٗ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانِ ۝
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ الرَّحْمَانِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا شَرِيْكَ الْقُرْاٰنِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْاِنْسِ
وَالْجَانِّ ۝ اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ مِنْ فِتْنَةِ الزَّمَانِ ۝ عَجَّلَ اللّٰهُ
فَرَجَكَ ۝ وَسَهَّلَ اللّٰهُ مَخْرَجَكَ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ
اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۝